SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Tuesday, February 18, 1992.

The Senate of Pakistan met in the Senate Hall (Parliament House) Islamabad, at four of the clock in the evening, with Mr. Chairman (Mr. Wasim Sajjad) in the Chair.

Recitation from the Holy Quran

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الم تر ان اللہ یسبح لہ من فی السمٰوٰت والارض و الطیر صٰفّٰت کل قد

علم صلاتہ وتسبیحہ واللہ علیم بما یفعلون O وللہ ملک السمٰوٰت

والارض و الی اللہ المصیر O

ترجمہ ۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں خدا کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور پر پھیلائے ہوئے جانور بھی اور سب اپنی نماز اور تسبیح (کے طریقے) سے واقف ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں (سب) خدا کو معلوم ہے ۔ اور آسمان اور زمین کی بادشاہی خدا ہی کے لئے ہے اور خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

LEAVE OF ABSENCE

جناب چیئرمین ۔ جزاک اللہ ، جنرل سعید قادر صاحب نے سرکاری کام کی وجہ سے مورخہ ۱۶ سے ۱۹ فروری سے رخصت کی درخواست کی ہے ۔ کیا آپ ان کی درخواست منظور فرماتے ہیں۔

(رخصت منظور کی گئی)

جناب چیئرمین ۔ جناب انور سیف اللہ خان وزیر برائے ماحولیات و شہری امور نے اطلاع

SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Tuesday, February 18, 1992.

The Senate of Pakistan met in the Senate Hall (Parliament House) Islamabad, at four of the clock in the evening, with Mr. Chairman (Mr. Wasim Sajjad) in the Chair.

Recitation from the Holy Quran

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الم تر ان اللہ یسبح لہ من فی السمٰوٰت والارض و الطیر صٰفٰت کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ واللہ علیم بما یفعلون O وللہ ملک السمٰوٰت والارض و الی اللہ المصیر O

ترجمہ ۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں خدا کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور پر پھیلائے ہوئے جانور بھی اور سب اپنی نماز اور تسبیح (کے طریقے) سے واقف ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں (سب) خدا کو معلوم ہے ۔ اور آسمان اور زمین کی بادشاہی خدا ہی کے لئے ہے اور خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

LEAVE OF ABSENCE

جناب چیئرمین ۔ جزاک اللہ ، جنرل سعید قادر صاحب نے سرکاری کام کی وجہ سے مورخہ ۱۶ سے ۱۹ فروری سے رخصت کی درخواست کی ہے ۔ کیا آپ ان کی درخواست منظور فرماتے ہیں۔

(رخصت منظور کی گئی)

جناب چیئرمین ۔ جناب انور سیف اللہ خان وزیر برائے ماحولیات و شہری امور نے اطلاع

میں شرکت نہیں کر سکیں گے ۔ جناب نثار علی خان صاحب نے بھی اطلاع دی ہے کہ وہ ملک سے باہر ہیں اس لئے ۱۷ تا ۱۹ فروری تک وہ اجلاس میں شرکت نہیں کر سکیں گے ۔ next privilege motion

POINT OF ORDER

RE: SHOW OF DISREGARD TOWARDS A MEMBER BY AN ASSISTANT SECRETARY OF MINISTRY OF HEALTH.

ڈاکٹر محمد ریحان ۔ پوائنٹ آف آرڈر ۔ جناب چیئرمین صاحب! اس مہینے کی دس تاریخ کو سینٹ سیکرٹیریٹ سے میں نے پاکستان میڈیکل اینڈ ڈینٹل کونسل کے دفتر فون کیا تھا تقریباً دس بجے تھے میں نے پوچھا کہ سیکریٹری صاحب ہیں تو جواب ملا کہ سیکریٹری صاحب ابھی گھر سے نہیں پہنچے جہاں تک میرا علم ہے ۔ فیڈرل گورنمنٹ کے دفتری اوقات یہاں ۸۔۳۰ بجے شروع ہو جاتے ہیں اب کوئی صاحب ۱۰ بجے تک نہیں پہنچے ان کی کوئی مجبوری ہے یا کیا وجہ ہے وہ ان کو معلوم ہوگا مجھے معلوم نہیں ۔ بہرکیف میں نے پوچھا کہ next responsible officer انہوں نے کہا کہ اسسٹنٹ سیکریٹری ہیں میں نے پھر ان کو فون کیا میں نے کہا کہ مجھے ایک ضروری انفارمیشن آپ سے لینی ہے پی ایم ڈی سی بورڈ کے جو ممبران ہیں ان کے نام مجھے چاہیئں اگر آپ ایسے کہہ سکتے ہیں یا آپ لکھ لیں یا فائل سے نکال لیں اور اپنے پاس رکھ لیں میں collect کرنے خود آ جاؤں گا یا کسی کو بھیج دوں گا ۔ انہوں نے مجھے کہا کہ درخواست لکھ کر بھیجو میں نے ان کو عرض کیا کہ دیکھیئے میرے پاس نہ ٹائپسٹ ہے نہ ٹائپ رائٹر ہے یہ چاہیئے کیونکہ جو ڈاکٹرز ہیں ان کی رجسٹریشن نہیں ہوئی ہے یہ میرا ذاتی کام نہیں ہے یہ public interest میں ہے انہوں نے کہا کہ بہرکیف جو کچھ بھی ہے لکھ کر بھیج دیں ۔ کیونکہ میں نے ان کو disclose کیا تھا کہ میں سینیٹر ہوں تو بحیثیت سینیٹر میں نے محسوس کیا اور میں نے پھر ایک پریولیج موشن پیش کی اگر یہ نہ ہوتا تو میں شاید محتسب اعلیٰ کے پاس درخواست پیش کرتا یا سول کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹاتا لیکن سینیٹر کی حیثیت سے کیا تھا تو میں نے ایک پریولیج موشن پیش کی جس کا جواب پھر مجھے ملا ہے کہ اس میں ۔

under Rule 62 Part II & III of the Rules of Procedure and Conduct of Business in the Senate that motion does not raise any .....

(مداخلت)

جناب چیئرمین۔ ڈاکٹر صاحب اس میں میں ایک دو عرض کر دوں پہلی چیز یہ ہے کہ پوائنٹ آف آرڈر جو ہوتا ہو اس کے بارے میں اور چیزوں کے علاوہ ایک تو یہ ہونا چاہیئے۔

1) it should relate to the business in hand at the moment;

2) it should point out some irregularity in the business of the House

بھئی کوئی غلط کام ہو رہا ہے پوائنٹ آف آرڈر اس کے بارے میں ہوتا ہے ہمارے پاس Privilege Motions آتے رہتے ہیں اس میں ہم Rules کو examine کرکے کئی دفعہ سمجھتے ہیں کہ admissible نہیں ہیں اور کئی دفعہ ان کو یہاں لے آتے ہیں جب آپ کو اطلاع جاتی ہے کہ یہ چیز نہیں ہوسکتی اور آپ کو اختلاف ہو تو you are welcome آپ چیمبر میں آ کر مجھ سے discuss کر لیں بھئی آپ نے غلط کام کیا ہے ہم آپس میں بیٹھ کر بات کرلیں گے۔ اس کو ہاؤس میں تو نہیں لایا جاسکتا۔

ڈاکٹر محمد ریحان۔ میں یہ کہوں گا کہ آپ guide کیا کریں۔

جناب چیئرمین ، آپ آ جائیں بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں ۔ میرے پاس questions آ جاتے ہیں ، adjournment motions آ جاتے ہیں ان کی ہم آپ کو اطلاع دیتے ہیں کہ یہ admissible نہیں ہے یا بادی النظر میں درست نہیں ہے پھر آپ کو اختلاف ہو you are always welcome میرے پاس آ کر discuss کرلیں اگر آپ مجھے convince کرلیں تو لے آئیں گے۔

ڈاکٹر محمد ریحان : جناب very nice of you اس بارے میں ایک اور عرض ہے ذرا میں اس ہاؤس میں کہنا چاہتا ہوں ضروری ہے انہوں نے کہا ہے کہ written دے دوں تو written بھی کئی ڈیپارٹمنٹ کو میں نے تین چار مہینے ہو گئے ہیں public interest میں information چاہیئے تھی ایک لیٹر لکھا جواب نہیں آیا دوبارہ لکھا جواب نہیں آیا پھر ٹیلی فون کیا تو کہا کہ ہاں خط ملا ہے---

جناب چیئرمین ، آپ اس طرح کیا کریں کہ یہاں question پوچھ لیا کریں ہم ان سے اطلاع منگوا لیا کریں گے آپ تو سینئر ہیں اگر آپ question پوچھ لیں Minister of Health غالباً اس کے انچارج ہوں گے ان کے ذریعے پوچھ لیں وہ information ہاؤس میں furnish کر دیں گے۔

ڈاکٹر محمد ریحان ، بعض اوقات ایسی situation ہوتی ہے وہاں پہ ذرا urgency کی

ضرورت ہوتی ہے تو اس بارے میں اگر افسروں کو

Their heads are very inflated and toxicated.

جناب چیئرمین، ٹھیک ہے آپ آ جائیں we will discuss it تاکہ اس کو مناسب طریقے سے کرلیں۔ جی privilege motion ہے سید اقبال حیدر صاحب' پروفیسر خورشید احمد صاحب کا

on the failure of the government to amend the National Highway Authority Act 1991 in the light of the amendments proposed by some Senators.

اقبال حیدر صاحب اور پروفیسر صاحب موجود ہیں' نہیں ہیں تو پھر یہ ڈراپ ہو گیا ۔ next' یہ رولنگ Privilege Motion پہ reserve کی گئی تھی،

On the privilege motion reaised by Senator Gulzar Ahmad regarding the failure of the Income Tax Officer (Company-III) to adjourn his case for income tax assessment for the year 1986-87 and 1991. In that after discussing all these matters we have said that since the Income Tax Officer had already adjourned the proceedings on the request of the honourable Senator and he was not expected to know when the ongoing session of the Senate would come to an end. Therefore, his giving of a date for the proceedings would not amount to a breach of privilege of the honourable Senator and therefore, I held that this privilege motion is inadmissible under Rule 62 (2) and (3).

جناب چیئرمین، آ گئے پروفیسر صاحب' اب تو ہم نے ڈراپ کر دی ہے

پروفیسر خورشید احمد، اتنی تیزی کی ضرورت کیا تھا۔

MESSAGES FROM THE NATIONAL ASSEMBLY

جناب چیئرمین: اچھا سن لیتے ہیں۔ میں یہ messages پڑھ لوں۔ یہ نیشنل اسمبلی سے messages موصول ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے،

In pursuance of Rule 119 of the rules of Procedure and Conduct of

Business in the National Assembly, 1973, I have the honour to inform the Senate Secretariat that the National Assembly passed the Pakistan Penal Code (Amendment) Bill, 1992 on the 17th of February 1992 without any amendment. A copy of the Bill is transmitted herewith.

This was I think, a Bill which was passed by the Senate and transmitted to the National Assembly.

Second message is again in pursunace of Rule 119 of the Rules of Procedure land Conduct of Business in the National Assembly, 1973, I have the honour to inform the Senate Secretariat that the National Assembly has passed the Bonded Labour System Abolition Bill, 1992 on the 17th of February, 1992 without any amendment . A copy of the Bill is transmitted herewith to the Senate.

RESOLUTIONS FROM THE PUNJAB ASSEMBLY

Mr. Chairman: We have also received two resolutions from the Punjab Assembly which I would like to read before this honourable House. First resolution says :

یہ ایوان جی ایم سید کے ملکی سالمیت ، یکجہتی اور بقاء کے منافی بیانات اور سرگرمیوں کی پرزور مذمت کرتا ہے اور وفاقی حکومت سے سفارش کرتا ہے کہ ملک کی سالمیت اور بقاء کے خلاف کام کرنے والے عناصر کی سرکوبی کے لئے آئین اور قانون کے تحت بلا امتیاز حیثیت و مرتبہ فوری اور زیادہ موثر اقدامات کئے جائیں۔

دوسرا message یہ ہے دوسری قرارداد بھی پنجاب اسمبلی سے موصول ہوئی ہے ۔ یہ ایوان مقبوضہ کشمیر میں ہونے والے بے پناہ مظالم اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر گہری تشویش کا اظہار کرتا ہے پاکستان کی بین الاقوامی اور دیگر سطحوں پر اس مسئلے کے حل کے لئے مساعی کی بھر پور حمایت

کرتا ہے اور اقوام عالم سے یہ توقع کرتا ہے کہ وہ کشمیر کے بارے میں اقوام متحدہ کے حق خودارادیت سے متعلق قراردادوں پر عملدرآمد کرانے کی سلسلہ میں اپنا کردار ادا کرے اور کشمیریوں کی بھرپور حمایت کریں یہ جناب پنجاب اسمبلی سے دو Resolutions موصول ہوئی ہیں۔

جناب منظور احمد گچکی، تیسرا بھی تھا۔

جناب چیئرمین: تیسرا تو پاس نہیں ہوا اس کی اطلاع علیحدہ آئے گی۔ اس میں میرے خیال میں then it will be upto the House how they want to handle it since this is the government Bill, I think the government will take some steps to proceed in that matter.

PRIVILEGE MOTION

RE: NON-FULFILMENT OF A CATEGORICAL COMMITMENT TO AMEND THE NATIONAL HIGHWAY AUTHORITY BILL

پروفیسر خورشید احمد: بہت شکریہ، میں معذرت خواہ ہوں کہ مجھے ہاؤس میں پہنچنے میں تھوڑی سی تاخیر ہوگئی اور میں آپ کا ممنون بھی ہوں کہ آپ نے مجھے دوبارہ اجازت دی ہے کہ اپنی Privilege Motion پیش کر سکوں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

I seek the leave of the House to move the following Privilege Motion. The National Highway Authority Bill was moved in the Senate in May, 1991 and I, alongwith some other Senators had moved certain amendments therein. The case was referred to the Standing Committee in which the Minister and the Secretary (Communications) assured that within a maximum period of two months the law would be amended in accordance with the points agreed upon. We withdrew our amendments on that assurance. So, much time has passed and the Government has not so far moved any Bill to amend the said law which was passed on the basis of the commitment that it would be modified within the next two months. Non-fulfilment of this categorical commitment constitutes a breach

of privilege and I seek the leave of the House to move this motion so that it may be either discussed by the House directly or referred to the Privileges Committee.

Mr. Chairman: Is it being opposed?

جناب محمد اعظم خان: Opposed.

جناب چیئرمین: پروفیسر صاحب ارشاد فرمائیں۔

پروفیسر خورشید احمد: جناب چیئرمین! سب سے پہلے تو میں آپ کو یاد دہانی کراؤں کہ نیشنل ہائی ویز کے سلسلے میں جو اتھارٹی قائم کی گئی تھی اس کے بارے میں میں اور میرے معزز رفقائے سینیٹ نے چند بڑی بنیادی اہمیت کی ترامیم پیش کی تھیں ۔ ان کا تعلق سب سے پہلے provincial autonomy سے تھا اور ہماری یہ کوشش تھی کہ جہاں یہ جائز ہے یہ اتھارٹی بنے اور کام جلد از جلد شروع ہو، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں مرکزی حکومت کے ساتھ ساتھ صوبائی حکومتوں کی نمائندگی بھی ہو ۔ دوسری چیز یہ تھی کہ جو انصاف کے اسلامی اور عالمگیر اصول ہیں ، جن کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص کو نوٹس دیئے بغیر اپنا دفاع کیے بغیر ہٹانے کا dismiss کرنے کا اختیار ، یہ ایک ایسی وحشیانہ چیز ہے کہ جس کی کوئی معزز حکومت یا یہ ایوان تائید نہیں کر سکتا ۔ لیکن بدقسمتی سے اس قانون میں ایسی چیزیں بھی تھیں جس میں ان بنیادی انصاف کے اصولوں کو بھی نظر انداز کیا گیا تھا ۔ اس بنا پر ہم، پانچ چھ افراد نے تقریبا کوئی بارہ ترامیم پیش کی تھیں اور اس کے بعد سٹینڈنگ کمیٹی میں کافی بحث ہوئی اور وزیر موصوف اور سیکرٹری کمیونیکیشن دونوں نے ہمارے نقطہ نظر سے مکمل اتفاق کیا اور انہوں نے کہا کہ ہم سے سہواً ہوا ہے ۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم کو اس کو rectify کر دیں گے ۔ چونکہ یہ آرڈیننس lapse ہو جائے گا ، ہم اس پر کام شروع کر چکے ہیں ، ہماری بیرونی commitments ہیں ۔ جاپان سے مدد آ رہی ہیں وغیرہ وغیرہ ۔ اس لیے آپ اسے اس وقت پاس کر دیجئے اور ہم دو ماہ کے اندر زیادہ سے زیادہ بلکہ میں یاد دلاؤں، پہلے انہوں نے کہا کہ ایک مہینے میں کر دیں۔ ہم نے ان سے کہا کہ آپ اتنا وقت لے لیں جتنے میں کام کر سکیں۔ ہم تعاون کے لیے تیار ہیں تو انہوں نے کہا کہ اچھا ٹھیک ہے ، دو مہینے دے دیں۔ یہ مئی ۱۹۹۱ء کی بات ہے ۔ اب جناب والا! یہ آٹھواں مہینہ ہے اور اس سلسلے میں نہ صرف کوئی پیشرفت نہیں ہوئی ہے بلکہ اس ایوان کو یا کمیٹی کو یا متعلقہ افراد کو approach کر کے اپنی کسی مجبوری سے یا تاخیر کے اسباب کے بارے میں بھی کوئی بات نہیں کی گئی ہے ۔ اب اس میں آپ دیکھیئے کہ تین چار چیزیں

ہیں involve ۔ پہلی چیز یہ ہے کہ حکومت اگر اس معزز ایوان میں اور ایوان کے ارکان سے ان کی کمیٹیوں میں وعدے کرتی ہے اور ان وعدوں کی بنیاد پر ہم سے تائید حاصل کرتی ہے اور پھر ان وعدوں کو وفا نہیں کرتی ہے تو یہ دراصل اس حکومت کے لیے بھی ایک بڑی ہی نہ صرف بری مثال ہے بلکہ اس سے ان کی credibility اور آئندہ سے اس کا اعتماد مجروح ہوتا ہے ۔ اس لیے اسے سمجھنا چاہیئے کہ ایک بار' دو بار' اس طریقے سے لوگوں کو مطمئن کر کے انہیں اپنے ساتھ لے کر چل سکتی ہے ۔ لیکن اگر اسے اس ایوان کو ساتھ لے کر چلنا ہے تو اسے ان پر اعتماد بھی کرنا ہو گا اور جو وعدے کریں انہیں پورا بھی کرنا ہو گا۔

دوسری چیز یہ ہے کہ حق تلفی بھی ہو رہی ہے ۔ یہ مسئلہ کوئی نظریاتی مسئلہ نہیں ہے ۔ کوئی abstract چیز نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس ادارے کے تمام ملازمین جن کے حقوق کا تحفظ قانون کی ذمہ داری ہے۔ اس ادارے کی ذمہ داری ہے وہ حقوق ان کے ' ان کو نہیں مل رہے ہیں اور آٹھ مہینے ہو گئے ان سے وعدہ کیے ہوئے ۔ اسی طریقے سے صوبوں کی نمائندگی کا مسئلہ ہے اور decision - making کے اندر ان کا participation ہے ۔ یہ فیڈریشن ہے ۔ اس فیڈریشن میں مرکز اتنا ہی مضبوط ہو گا جتنا صوبے ان سے تعاون کریں گے ۔ اس پر اعتماد کریں گے اور ہم چاہتے ہیں ان دونوں کا ایک دوسرے پر اعتماد ہو اور تعاون ہو اسی sprit میں ہم نے اپنی تجاویز پیش کی تھیں اور اس وقت کم از کم وزیر موصوف اور سیکرٹری نے ہمیں یقین دیا تھا کہ یہ بالکل جائز چیزیں ہیں ۔ ہم agree کرتے ہیں اور ہم ان کو اس میں کرلیں گے ۔ اب اس کے بعد جناب والا ! اس کو آپ ایک ٹیکنیکل بات کہہ سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ کیا فی الحقیقت privilege violate ہوا ہے یا نہیں ۔ تو میں جناب والا! آپ سے عرض کروں گا کہ اس معاملے میں privilege کے بارے میں جو بھی فیصلے اس سے پہلے دنیا کی مختلف پارلیمنٹ میں ہوئے ' ان میں ہمیں جہاں یہ چیز ملتی ہے کہ محض ایشورنس کا پورا کرنا ' necessarily privilege کا violation نہیں ہے ۔ وہیں یہ چیز بھی ملتی ہے کہ اگر یہ کام delibrate ہو اور ایسی evidences موجود ہوں کہ یہ بات محض اتفاقاً نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کے پیچھے ایک سوچ موجود ہے تو پھر یہ viloation of privilege ہوتا ہے ۔ اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ چونکہ ہماری گفتگو ایوان میں بھی ہوئی ' اس کے بعد اسے سٹینڈنگ کمیٹی کو ریفر کیا گیا۔ سٹینڈنگ کمیٹی میں اس پر بحث ہوئی اور ایک deliberatecommitment تھی۔ ایک contract ہوا۔ ہاؤس کی کمیٹی اور گورنمنٹ کے درمیان ہوا۔ اب اس کنٹریکٹ کا violation جو ہے یہ اسے ٹائپ کی assurance نہیں ہے ۔ کہ صاحب کسی وزیر نے ایسے

ہی دباؤ میں آ کر یہ بات کہہ دی تھی ۔اس لیے اس کو violation نہ سمجھا جائے ۔ یہ دراصل ایک social contract رہا جو پارلیمنٹ کی ایک کمیٹی اور حکومت کے درمیان ہوا ۔ ہم سب اس میں شریک ہوئے تھے اور اس پر sign ہوئے تھے ۔ ایسے کنٹریکٹ کا violation جو ہے وہ پھر deliberate non - fulfilment میں آجاتا ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کو ہم نے تسلیم کیا ہے کہ یہ violation of privilege ہے ۔

دوسری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آٹھ مہینے گزر گئے ہیں ۔ اگر ان کو کوئی فی الحقیقت difficulties تھیں تو حکومت کا فرض تھا کہ وہ کمیٹی کے پاس آتی اور یہ بتاتی کہ ہماری یہ مشکلات ہیں ۔ ہم نے آپ سے وعدہ کیا تھا لیکن ہم چاہتے ہیں کہ مزید وقت مل جائے اور اسی طرح دراصل جمہوری ادارے کام کرتے ہیں ۔ لیکن یہاں معاملہ یہ ہے کہ جب کوئی وقت پڑتا ہے تو ہاتھ جوڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صاحب اس کو کسی طریقے سے کر دیجئے اور پھر اس کے بعد آنکھیں چار بھی نہیں کرتے ۔ اگر اس طرح کا رویہ گورنمنٹ اختیار کرتی ہے تو میری نگاہ میں یہ فی الحقیقت disrespect ہے ۔ یہ contempt ہے اور جو میں دوسری دلیل دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ صرف non - fulfilment یا deliberate non fulfilment of a firm commitment and contract ۔ سب سے پہلے تو اس پر ہی violation ہے ۔ لیکن پھر دوسرا یہ ہے کہ اگر وہ اس ہاؤس کی طرف سے disrespected ہوتے ہیں اور اس ہاؤس کو اور اس ہاؤس کی committees کو، انہیں جہاں مطلع کرتا چاہئیے، جہاں ان کے پاس آنا چاہئیے، جہاں explanation دینا چاہئیے، وہاں نہیں دیتے تو یہ پھر contempt of the House ہے ۔ contempt of the Committee ہے ۔ تو ان دونوں چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ contempt کے مرتکب ہوئے ہیں ۔

جناب والا! میں آخری بات آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جمہوری اداروں کے کام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہاؤس اور گورنمنٹ کے درمیان ایک خوشگوار فضا بھی ہو اور اگر ایک دوسرے سے جہاں تعاون کریں وہیں پر ایک دوسرے سے کئے ہوئے اپنے وعدوں کو پورا کریں۔ اگر یہ فضا خراب ہوتی ہے اور حکومت اس معاملے میں مسلسل ایک ایسا رویہ اختیار کرتی ہے کہ جو وعدے کیے ہوں، جو اعلانات کئے ہوں ان کی پرواہ نہیں کی جاتی توآپ کو معلوم ہے کہ ایک بار کسی کام کو انسان غلط کر دے تو یہ سہو ہوتا ہے ۔ لیکن اگر وہ اس کی روش بن جائے ، اگر وہ مستقل اس پر اصرار کرے اور بار بار اس چیز کو کرے تو پھر یہ سہو نہیں رہتا ہے ۔ پھر اس کی حیثیت ایک deliberate contempt کی ہو جاتی ہے ۔ deliberate violation کی ہو جاتی ہے ۔ اور اس بناء پر میں آپ سے پورے ادب سے عرض کروں گا

کہ یہ ایک سنجیدہ مسئلہ ہے اور اگر نہ صرف اس ایوان کے وقار کو باقی رکھنا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسے کام کرنے کا موقع دینا ہے تو پھر اس کا نوٹس لیا جائے ۔ ہم اگر حکومت کے ساتھ تعاون کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم سے کوئی بات کر کے بھول جائیں اور اپنی ہی من مانی کریں ۔ اگر یہ راستہ اختیار کیا جائے گا تو یہ دراصل جمہوریت کے فروغ کے لیے کبھی بھی معاون و مددگار نہیں ہو سکتا ۔ تو اس لیے میں ان تمام وجوہ سے سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ایسا موقع ہے کہ اس کا نوٹس ہاؤس کو لینا چاہئیے اور اگر ہاؤس نے اس کا نوٹس نہ لیا تو پھر اس سے حکومت کو مزید لمبی ڈھیل اور ڈوری ملے گی اور اس طرح دراصل جمہوری روایات اور جمہوری اداروں کا جو استحکام ہے وہ نہیں ہو سکے گا۔

میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ privilege کے پچھلے تین سو سال کے laws کو دیکھیں کہ اس کے اندر مسلسل ایک evolation ہوا ہے ۔ پہلے اس میں صرف فرد کے حقوق اور اگر وہ حقوق پورے نہ ہوں تو ان کے تحفظ کے لیے exective ان پر دست درازی نہ کرتے لیکن اس کے بعد پھر ان کے دائرے کو وسیع کیا گیا اور House as such اس کی contempt ' ہاؤس کی کمیٹی' ان کی proper functioning اور ان کے وقار ان سے کئے گئے وعدوں کا ایفا' یہ ساری چیزیں ہیں جو آہستہ آہستہ evolving process میں law of privilege کے اندر جو ترقیاں ہوئی ہیں تبدیلیاں آئی ہیں ۔ ان میں یہ سب چیزیں شامل ہوئی ہیں ۔ اس لیے میں چاہوں گا کہ اس پورے historical evolution کو سامنے رکھ کر آپ غور فرمائیں تو آپ یہ دیکھیں گے کہ یہ genuine چیز ہے ۔ یہ کوئی personal چیز نہیں ہے اور وہ جو ترامیم تھیں اس میں I.J.I کے لوگ بھی تھے اور ہم اپوزیشن کی parties کے لوگ بھی تھے اور ہم سب نے مل کر وہاں یہ بات کی تھی کہ یہ اپوزیشن یا گورنمنٹ کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ قومی مسئلہ ہے اور اس قومی مسئلے کو ہمیں قومی spirit کے ساتھ حل کرنا چاہئیے لیکن حکومت نے اس اعتماد کو مجروح کیا ہے اور اس بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ یہ genuine proposal ہے اور اسے آپ قبول فرمائیں اور اس کے بعد privilege committee اسے examine کرے اور حکومت کے لیے تنبیہ ہو ۔ حکومت اگر وعدہ کرے تو سوچ سمجھ کر کرے اور جب کرے تو پورا کرے ۔ اور اگر اسے پورا نہیں کرتا تو وعدہ نہ کرے اور اس طرح سے یہ ہاؤس جو اپنے اختیارات رکھتا ہے انہیں استعمال کرے ۔

جناب چیئرمین۔ جی اعظم ہوتی صاحب ۔

جناب منظور احمد گچکی ۔ جی مجھے کچھ بولنا ہے ۔

جناب چیئرمین۔ نہیں اس پر اور کسی کو اجازت نہیں ہوتی۔

جناب منظور احمد گچکی ۔ نہیں جناب میں اس کمیٹی میں تھا اور یہ ہماری ہی طرف سے move ہوا تھا۔

جناب چیئرمین۔ دیکھیں میں منسٹر کو سن لوں گا اور اگر مجھے مزید وضاحت کی ضرورت ہوئی تو آپ سے پوچھ لوں گا۔ اس وقت تو یہ ایک technical مسئلہ ہے کہ admissibility بنتی ہے یا نہیں بنتی ہے۔ انہوں نے واقعات بیان کر دیئے ہیں ۔ اب میں وزیر صاحب کو سنوں گا اگر مجھے مزید وضاحت کی ضرورت پڑی تو میں آپ سے بھی پوچھ لوں گا۔

جناب منظور احمد گچکی۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ اس وقت ترامیم ہم نے move کی تھیں اور ہمیں وزیر نے کمیٹی میں خود یقین دہانی کرائی تھی بلکہ اس سٹینڈنگ کمیٹی سے پہلے مجھے، پروفیسر صاحب اور حافظ صاحب کو وہاں بلایا گیا اور باقاعدہ brefing دی گئی اور اس کے بعد assurance دی گئی اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اگر مجھے موقع دیا جائے تو میں مشکور ہوں گا۔

جناب چیئرمین ۔ پہلے منسٹر کو سن لینے دیں پھر ضرورت پڑی تو سن لیں گے۔ جی اعظم ہوتی صاحب۔

جناب محمد اعظم خان ہوتی۔ جناب چیئرمین! اول تو میں گزارش کروں گا کہ اسی قسم کی ایک motion محترم اقبال حیدر صاحب کی ہے اگر اس کو بھی اس کے ساتھ club کر دیا جائے۔

جناب چیئرمین: وہ چونکہ آج موجود نہیں ہیں لہذا دونوں کو اکٹھا ہی سمجھ لیں۔

جناب محمد اعظم خان ہوتی: جو رولنگ آپ دیں گے۔

جناب چیئرمین: وہ دونوں کے لئے ہو گی۔

جناب محمد اعظم خان ہوتی: شکریہ جی ۔ جناب والا! technical بنیادوں پر تو یہ privilege motion نہیں بنتی ---

جناب چیئرمین: کیوں نہیں بنتی ۔ آپ کے کیا دلائل ہیں؟

جناب محمد اعظم خان ہوتی: جناب پروفیسر خورشید صاحب نے جو فرمایا اس سے مجھے

اختلاف نہیں ہے اس حد تک کہ ترامیم پیش کی گئیں ہاؤس کی کمیٹی میں اور جس میں اپوزیشن کے ممبران بھی موجود تھے گو کہ بہت سی ترامیم تھیں ان میں سے چار ترامیم کو لیا گیا۔ سب سے اہم ترمیم National Highway Council کی تشکیل تھی۔ اس میں بجائے ایک سینٹر اور ایک ممبر نیشنل اسمبلی کے ، دو اراکین سینٹ اور دو اراکین نیشنل اسمبلی سے اور ان کو ترتیب اس طرح دیا جائے کہ چاروں صوبوں کی نمائندگی ہو سکے ۔ باقی جو ترامیم تھیں وہ حالانکہ بہت اہم ہیں ہونی بھی چاہئیں، میں بھی ذاتی طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ پروفیسر خورشید صاحب کی رائے ہے۔

لیکن جناب والا! جیسے آپ جانتے ہیں کہ کوئی بھی قانون بننے کے بعد اگر اس میں ترمیم کی ضرورت پڑے تو اس کو کابینہ کی منظوری کے لئے جانا پڑتا ہے اور کابینہ کی منظوری کے بعد ہی ان ترامیم کو Law Division میں بھیجا جاتا ہے اور پھر یہ ہاؤس میں آتی ہیں اور اس کے بعد ہی اس میں ترامیم ہو سکتی ہیں ۔ تو 27 نومبر کو Cabinet کو summeray جا چکی ہے اس بارے میں، اس کی نقل میرے پاس موجود ہے اور ابھی تک Cabinet نے اس نکتے کو اٹھایا نہیں ہے۔ ابھی تک ایجنڈے پر آئی نہیں ہے تو اس میں منسٹر کا یا منسٹری کا قصور نہیں ہے اور جب ایجنڈے پہ آئے اور کابینہ فیصلہ دے البتہ جیسے انہوں نے کہا کہ اخلاقی طور پر یہ سوشل کنٹریکٹ کے ذریعہ ہوا تھا خود ہی اعتراض کرتے ہیں کہ legally اور technically یہ motion نہیں بنتی لیکن سوشل کنٹریکٹ کی بنیاد پر یہ یقین دہانی کرائی گئی تھی باہمی تعاون اور سمجھوتے سے ، تو کابینہ میں بھی ہمارا فرض بنتا ہے کہ بات کریں جیسے ان سے بات کی گئی ۔ لیکن ابھی تک کیبنٹ کے ایجنڈے پہ یہ نہیں آئی اور جب کابینہ کی منظوری مل جائے تو اس کے بعد لاء ڈویژن کو بھیجنے کے بعد floor پر آجائے گی--

جناب چیئرمین، مطلب یہ کہ آپ کا کہنا یہ ہے کہ جہاں تک منسٹری کا تعلق ہے انہوں نے اپنے وعدے کا ایفاء کیا ہے اور اس کے مطابق ترامیم بنا کر کیبنٹ کو بھیج دی گئیں۔

جناب محمد اعظم خان ہوتی، جی ہاں جناب میرے پاس summary کی نقل بھی موجود ہے۔

جناب چیئرمین، سمجھ آ گئی ہے ۔ جی پروفیسر صاحب ۔ یہ فرما رہے ہیں کہ ترامیم اس discussion کی روشنی میں بنا کر کابینہ کو بھیج دی گئی ہیں اور تاخیر اگر ہو رہی ہے تو کابینہ میں ہو رہی ہے جس طرح سے ہوتی ہے تو جہاں تک منسٹری کا تعلق ہے انہوں نے اپنے وعدے کے مطابق جو

understanding ہوئی تھی اس کے مطابق summary بھیج دی ہے۔

پروفیسر خورشید احمد: جی شکریہ جناب چیئرمین! میں سب سے پہلے تو وزیر صاحب کا شکریہ ادا کروں گا کہ انہوں نے ایک کھلے ذہن کے ساتھ اس مسئلے پر بات کی ہے اور محض technicality کا سہارا نہیں لیا technicalites کے لئے میرے پاس بھی بہت سی چیزیں ہیں اور وہ بھی کافی کہہ چکے ہیں لیکن اصل چیز یہ ہے کہ ہم کس طرح ان substantive issues کو resolve کریں۔ تو اس حد تک میں ان کی approach کی تعریف کرتا ہوں۔ لیکن دوسری طرف میں یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ کیبنٹ گورنمنٹ کا جو بنیادی اصول collective responsibility کا ہے۔ اس میں یہ نہیں ہوتا کہ اگر "الف" نے وعدہ کیا ہے تو وہ در اصل سب کی طرف سے وعدہ ہے اور اگر "ب" اس وعدے کی راہ میں حائل ہو رہا ہے تو بھی یہ سب کی ذمہ داری ہے اور اسی بنا پر ہم یہ چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ اس بات کو سیکھے کہ یا تو وعدہ نہ کرے، وعدہ کرے تو وعدہ کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھے کہ اسے کس کس process سے گزرنا ہوگا اور پھر جو وعدہ کرے اس کو پورا کرے۔ لیکن ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ اس گورنمنٹ میں بھی اور اس سے پہلے والی حکومتوں میں بھی صورت یہ رہی ہے کہ ماشاء اللہ Ordinances بارش کی طرح نازل ہو رہے ہیں اور اس کے لئے نہ کسی شاید کیبنٹ کی ضرورت ہوتی ہے نہ پارلیمنٹ کی اور یہ بھی مشکل ہے کہ آج ایک Ordinance آیا ہے اور پھر اس میں ترامیم آ رہی ہیں۔ میں آپ کو یاد دلاؤں گا Banking Tribunal کے سلسلے میں تین ترامیم اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر آرڈیننس کے ذریعہ سے آ گئیں اور ہم سے اس وقت یہ بات بھی کہی گئی تھی کہ اگر اس معاملے میں کوئی تاخیر ہوئی تو ہم اسے by ordinance لانے پر بھی غور کریں گے۔ گو ہم سے یہ کہا تھا کہ ہم تو یہ پسند کریں گے کہ آپ اس کو formal amendment کے طور لائیں تو اس کے لئے ہمیں آٹھ مہینے کی ضرورت نہیں تھی اس آٹھ مہینے میں آپ بیس پچیس ordinance لا چکے ہیں اور اس زمانے میں بہت سے قوانین کے مسودے بھی آ چکے ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ کیبنٹ کی ذمہ داری جہاں دوسرے اہم امور ہیں وہاں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ قانون سازی کے بارے میں اپنا کردار ادا کرے اور اگر اسے ہفتے میں ایک سے زیادہ بار ملنے کی ضرورت ہو تو ملے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وزیر کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ ڈاکیہ نہیں ہے کہ صاحب میں نے تو پوسٹ بکس میں ڈال دیا۔ نہیں وزیر کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ summary بنائے۔ Prime Minister سے بات کرے اور وہ کابینہ میں اپنے case کی پیروی کرے اور کوشش کرے کہ کابینہ سے منظور کروائے۔ اور آپ کو بھی کیبنٹ کا تجربہ ہے اور مجھے بھی تھوڑا بہت اس کا تجربہ ہے۔ یہ کام

کس طریقے سے ہوتا ہے ۔ یہ نہیں ہوتا کہ ٹھیک ہے ہم نے سمری بھیج دی ہے اور اب summary کی قسمت ہے کہ وہ آگے نہیں بڑھتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ذمہ داری سے shirk away کرنا مناسب نہیں ہے۔ انہیں چاہیے کہ اس بات کا ہاؤس کو یقین دلائیں کہ یہ صورت ہو گئے ہے اور ہم اس معاملے کو کابینہ میں لے کر جا رہے ہیں اور ہمیں توقع ہے کہ اسے ہم اتنی مدت کے اندر اندر کامیاب کروالیں گے ۔ میں دوسری یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ آئیندہ کے لئے یہ بات نظیر بننی چاہیئے کہ جب بھی کوئی حکومت متعین وقت کے ساتھ وعدہ کرے اور اس وعدے کو وقت پہ پورا نہ کر پائے تو اس کا فرض ہے کہ کم از کم بطور courtesy متعلقہ سٹینڈنگ کمیٹی کو approach کرے اور یہ بتائے کہ ہم نے یہ کر لیا ہے اور ہمیں اتنا وقت مزید چاہیے اس طرح در اصل آپ جمہوری روایات کو مستحکم کریں گے اور ہم سب قاعدے اور قانون کے پابند بنیں گے ۔ ہمارا مقصد کسی کی ٹانگ کھینچنا نہیں ہے ہمارا مقصد نظام کو بہتر بنانا ہے اور اسی لئے میں یہ تجویز دے رہا ہوں کہ ہم مثبت انداز میں اس کو پیش کریں اس مسئلے کو بھی اور اس کی روشنی میں دوسرے مسائل کو بھی ۔ یہ حکومت کے لئے بھی بہتر ہوگا اور اس سے پارلیمنٹ کا وقار بھی بڑھے گا۔ ہمیں بھی یہ satisfaction ہوگی کہ ہم جو لوگوں سے وعدہ کرتے ہیں جن کی ہم نمائندگی کرتے ہیں اور جو اس کی بنا پر اپنے حقوق سے محروم رہے کوشش کی جا رہی ہے کہ ان کے حقوق بحال ہوں ۔ تیسری بات پہلی ترمیم ٹھیک ہے جو وزیر صاحب نے بتائی لیکن ساتھ ہی دوسری ترمیم جو تھی اور جس پہ agreement ہوا وہ clause 13 میں تھی اور اس میں یہ بات مانی گئی تھی کہ

" Authority may at any time terminate the services of any person appointed under sub section so and so after giving him due notice and chance to defend himself then after giving him not less than sixty days and so and so."

تو یہ دراصل human rights کا مسئلہ ہے اور اگر ان آٹھ مہینوں میں ایک شخص نے بھی اس کی بنا پر suffer کیا ہے تو میں ' آپ اور یہ ایوان سب اس کے مجرم ہیں ۔ اس لئے میں چاہوں گا کہ حکومت اس معاملے کو اہمیت دے ۔ اور جن چیزوں میں ہمارا ایگریمنٹ ہوا تھا ہم ان بارہ amendments کی بات نہیں کر رہے ہیں ۔ ہم تو ان چار کی بات کر رہے ہیں جن کے بارے میں ایگریمنٹ ہوا تھا ۔ ان کو carry through کروائے ۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح اس مسئلہ کا حل نکل سکتا ہے۔

جناب چیئرمین۔ میں نے بتایا ہے کہ تحریک التواء میں صرف محرک اور منسٹر کو سننا ہوتا ہے ۔ میں نے سن لیا ہے ۔ تو کوئی وضاحت آپ نے طلب کرنی ہے ۔

حافظ حسین احمد۔ مجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔

جناب چیئرمین۔ وعدہ کیا گیا تھا لیکن دیکھیے کہ تحریک استحقاق محرک کی ہوتی ہے ۔ ظاہر ہے وعدہ کسی سے کیا جاتا ہے لیکن تحریک استحقاق میرے سامنے پروفیسر خورشید کی ہے اور جواب یہ وزیر صاحب دے رہے ہیں۔ تو اس پر General Debate تو نہیں ہوتی ناں۔

POINT OF ORDER

جناب منظور احمد گچکی۔ پوائنٹ آف آرڈر پر گزارش کرنی ہے ۔ میں یہ عرض کروں گا کہ ڈائریکٹر جنرل لگے ہیں یہاں پر اور جس طرح کہ پروفیسر صاحب نے کہا ہے کہ autonomy کے مسئلے کو بھی یہاں violate کیا گیا ہے میں اتنا پوچھنا چاہوں گا کہ جو چار ڈائریکٹر جنرل لگائے گئے ہیں ان میں سے ایک بلوچستان سے ہے مجھے اس کا نام بتا دیں۔

جناب چیئرمین۔ یہ تو آپ سوال پوچھ لیں۔

جناب منظور احمد گچکی۔ سوال کی بات نہیں ہے۔ اسی میں ہم نے جب ترمیم دی تھی۔

جناب چیئرمین۔ بہرحال وہ وضاحت آ رہی ہے۔ منسٹر صاحب سے پوچھتے ہیں۔

جناب محمد اعظم خان ہوتی۔ جناب والا! پہلے تو میں آپ کی وساطت سے پروفیسر صاحب کی بات کا جواب دے لوں ۔ ترامیم پر تو بحث ہو نہیں رہی ۔ کون سی اہم ہے اور کون سی نہیں ۔ ان پر بحث اس وقت ہوگی جب یہ ایوان میں آئیں گی یا جو بحث اس پر پہلے ہو چکی ہے ۔ بات یہ تھی کہ جو ان سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اسے کیبنٹ میں لے جائیں گے ۔ ہاؤس کمیٹی سے وعدہ کیا گیا تھا وہ بھی اس ایوان کا ایک حصہ ہے۔

(مداخلت)

جناب محمد اعظم خان ہوتی ۔ تو جناب والا! میں پھر Technical Grounds پر اس کی ruling چاہوں گا۔

جناب چیئرمین۔ ٹیکنیکل کی بات نہ کریں ۔ دیکھیں ناں ۔ اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ آپ نے وعدے کے مطابق کیبنٹ کو بھیج دیا۔

جناب محمد اعظم خان ہوتی ۔ جناب والا! وہی کہہ رہا ہوں کہ under process ہے ۔ تو کاروبار مملکت ایسی چیز ہے کہ اب کیبنٹ میں بہت اہم مسائل جاتے ہیں اور ہم انہیں reminder بھی دے چکے ہیں ۔

جناب چیئرمین ۔ میرے خیال میں اصل دقت یہ آ رہی ہے کہ اگر آپ نے چیئرمین کمیٹی کو inform ہی کر دیا ہوتا کہ ہم process کر رہے ہیں the matter is being taken up تو کم از کم انہیں پتہ ہوتا کہ ہاں یہ کام ہو رہا ہے ۔ یہ communication gap ہو گیا ہے ۔

جناب محمد اعظم خان ہوتی ۔ آئندہ اس کا خیال رکھیں گے ۔ جہاں تک گچکی صاحب کے اعتراض کا سوال ہے ۔ اگر نیشنل ہائی وے اتھارٹی کی تشکیل یا اس کی کارکردگی پر بحث کرنی ہے تو وہ پھر الگ موضوع ہے ۔ کہ کیوں نہیں لگا، کیسے نہیں لگا ۔ وہ میں ان کو اطمینان دلا دوں گا ۔

Mr. Chairman: Prof. Sahib! in the light of this statement , would you like to press this motion?

میرے خیال میں انہوں نے وضاحت تو کردی ہے کہ وعدہ انہوں نے پورا کیا ہے باقی یہ کوشش کریں گے کہ جتنی جلدی ہو سکے ۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ کابینہ میں بہت سی چیزیں ہوتی ہیں ۔ کبھی وزیر اعظم صاحب نہیں ہوتے یہ نہیں ہوتا، کئی چیزیں حائل ہو جاتی ہیں ۔

پروفیسر خورشید احمد ۔ جناب چیئرمین! میرے پیش نظر نہ کوئی political victory ہے جو پوائنٹ سکور کرنا ہے ، اور نہ privilege motion کو ذبح کروانا ہے ۔ میرا مقصد تو یہ ہے کہ جو substantive issue ہے اس میں progress ہو ۔ اور تجویز میری یہ ہے کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اسے defer کردیں تاکہ ہم یہ دیکھ لیں کہ کتنے عرصے میں یہ کرتے ہیں ۔

جناب چیئرمین ۔ دیکھیں ناں ۔ ان کے کہنے کے مطابق انہوں نے وعدے کے مطابق کابینہ کو summary بھیج دی ہے ۔ کاپی ان کے پاس ہے وہ کہتے ہیں کہ میں آپ کو دے دیتا ہوں ۔ اب دوسری چیز یہ ہے کہ وہ کابینہ میں کوشش ہی کرسکتے ہیں کہ جلدی ہو ۔ لیکن آپ بھی جانتے ہیں کہ اس چیز میں منسٹر کس حد تک کامیاب ہوسکتا ہے ۔ کیونکہ priorities اور بھی ہوتی ہیں ۔ کئی دفعہ وزیر اعظم صاحب کی availability کا بھی سوال ہوتا ہے ۔ کئی چیزیں ہوتی ہیں ۔ تو اس لئے اگر آپ مناسب سمجھیں اگر یہ ایک یہ ایک reasonable time میں نہیں کرتے تو دوبارہ لے آئیں ۔ اس کو التواء میں رکھنے

کا کیا فائدہ؟ وہ مزید تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ میں کوشش کروں گا۔

(مداخلت)

جناب چیئرمین۔ ان کی یہ بات تو مناسب ہے کہ انہوں نے summary بنا کر کابینہ کو بھیج دی ہے۔

جناب منظور احمد گچکی ۔ جناب میری معلومات اس حد تک ہیں کہ Prime Minister نے کہا ہے کہ میں acceptنہیں کرتا۔

جناب چیئرمین۔ نہیں کرتا تو نہیں کرتا پھر اس میں وہ کیا کریں ۔ اگر کابینہ ایک چیز کو قبول نہیں کرتی تو اس میں وزیر کیا کر سکتا ہے ۔ آپ مجھے بتائیں ناں۔

پروفیسر خورشید احمد ۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ وہ تو ایک الگ issue ہے ۔ میں نے یہ بات کہی ہے کہ جب ہمارے پاس حکومت کا ، پرائم منسٹر کا ، کیبنٹ کا response آ جائے گا تو پھر ہم اس پر بات کریں گے ۔ ابھی اسے touch کرنا ہمارے لئے مناسب نہیں ہے ۔

جناب محمد اعظم خان ہوتی ۔ جناب والا! یہ قطعاً غلط ہے کہ Prime Minister صاحب نے انکار کر دیا ہے کہ میں نہیں مانتا ۔ میں بار بار یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ under process ہے ۔ یہ ابھی تک کابینہ کے ایجنڈے پر آیا ہی نہیں ہے ۔ ابھی اس پر بحث بھی نہیں ہوئی ۔

جناب چیئرمین۔ تو آپ کوشش کریں ناں کہ جلدی آ جائے ۔ آپ یہ تو کر سکتے ہیں ناں کہ کیبنٹ سیکریٹری کو ایک چٹھی لکھ دیں کہ سینٹ نے اپنے اجلاس میں یہ کہا ہے کہ اسے جلدی لایا جائے لہذا
I request you to put it up as soon as possible before the Cabinet.

جناب محمد اعظم خان ہوتی ۔ جناب چیئرمین! میری کوشش ہوگی ۔ لیکن یہ کہ وقت کا تعین کیا جائے ۔ وہ نہیں ۔

جناب چیئرمین۔جی جناب طارق چوہدری صاحب ۔

جناب محمد طارق چوہدری ۔ میں تو چیئرمین صاحب ! یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ آخر وزیر کیا کر سکتا ہے ۔ وزیر وعدہ کر کے چلا جائے اور پرائم منسٹر اسے نہ مانے تو پھر وزیر کم از کم استعفیٰ دے سکتا ہے ۔ یہ میں گزارش کرنا چاہتا تھا۔

Mr. Chairman: So, this is disposed of in the light of the statement of the honourable Minister that he has send the summary to the Cabinet as he had promised to do so in the Standing Committee concerned and he has promised again that he will follow it up so that this matter may urgently be taken up by the Cabinet and a decision is given in a reasonable time.

Prof. Khurshid Ahmad: Please also add that the honourable Minister will inform the Standing Committee concerned about the decision.

Mr. Chairman: That communication between the Minister and the Standing Committee is a very healthy tradition , I think that it should be maintained specially in those matters where a commitment is made before the Standing Committee.

پروفیسر خورشید احمد ۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ کی رولنگ ہے اس کا وہ حصہ رہے ۔

جناب چیئرمین۔ رولنگ تو پھر میں نے detail نہیں دی ہے ۔

پروفیسر خورشید احمد ۔ نہیں اتنا اشارہ ہی کافی ہے کہ آپ یہ کہیں کہ communication should be made to the Standing Committee.

جناب چیئرمین۔ بالکل صحیح ہے ۔ خالق خان صاحب آپ تقریر کر چکے ہیں یا ابھی کچھ رہتی ہے ۔

FURTHER DISCUSSION ON THE PRESIDENTIAL ADDRESS

جناب عبدالخالق خان۔ ادھوری رہ گئی تھی۔

جناب چیئرمین۔ چلیں پھر فرمائیں۔

جناب عبدالخالق خان۔ جناب چیئرمین! میں مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے بھی بولنے کا موقع دیا ۔ میں نے صدر صاحب کے پارلیمنٹ میں خطاب پہ کچھ معروضات اس ایوان میں پیش کی تھیں ۔

باقی جو تھوڑے سے نکات ہیں ان پر میں آج مختصراً بولوں گا ۔ کیونکہ مجھے احساس ہے کہ بہت سے معزز دوست جو بولنا چاہتے ہیں ان کے وقت میں کمی نہ آئے ۔

جناب عالی ! نیا نکتہ ' احتساب کا عمل ہے ۔ جس کا تذکرہ محترم صدر صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا ہے ۔ یہ احتساب کا چرچا اس ملک میں بہت سننے میں آیا ہے ۔ میں accountability کی افادیت پر بات نہیں کروں گا کیونکہ یہ تضیع اوقات ہوگی اس سے کسی کو قطعاً انکار نہیں ۔ مگر ایک مشکل یہ ہے کہ accountability کے لئے دو تین بنیادی اصول جب تک نہ ہوں تو accountability سوائے ایک خالی نعرے کے کچھ نہیں ہوگی ۔ یقیناً accountability انتہائی ضروری ہے کیونکہ ہمارے معاشرے میں corruption سرطان کے مرض کی طرح سرایت کر گئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اب وقت آ گیا ہے کہ corruption کو ہر ایک field میں ' economic field میں ہو خواہ political field میں ہو اسے سرفہرست رکھا جائے اور اس کے بارے میں دو ٹوک فیصلے کئے جائیں ۔ اور ان فیصلوں کو نہایت سنجیدگی سے implement کیا جائے ۔ اس کے لئے ایک بنیادی ضرورت یہ ہے کہ implementing agency خود دیانتدار ہو ' خود سنجیدہ ہو ' مگر ہمیں تلخ تجربہ ہوا ہے کہ اس ملک میں کسی بھی حکومت نے اس موضوع کو کبھی بھی سنجیدگی سے نہیں لیا ۔ تجربہ ہمیں بتاتا ہے کہ جو بھی آتا ہے ' وہ اگلوں کی لوٹ مار کا اس ڈر سے احتساب نہیں کرتا کہ اس نے بھی تو آخر اپنا حصہ کمانا ہوتا ہے تو یہ سلسلہ چل رہا ہے اور اس میں نقصان بیچارے عوام کا ہو رہا ہے ۔ تو ایک بنیادی ضرورت یہ ہے کہ ایک implementing agency ہو جو دیانتدار اور قطعاً اس قسم کے نقائص سے مبرا ہو۔ یہ اب ایک قومی ضرورت ہے۔ جو دوست یہاں ہیں میں ان سے درخواست کروں گا کہ کہ وہ بھی اپنی اپنی تقاریر میں اس نکتے پر کچھ نہ کچھ اظہار خیال کریں۔

دوسرا یہ ہے کہ یہ جو احتساب کا عمل ہے جیسے پرایوں کا آپ کرتے ہیں تو اپنوں کا بھی کریں۔ مگر یہ احتساب کا عمل تو صرف اپوزیشن کو ہراسان کرنے کے لئے ہے۔ اپوزیشن کو اپنے ضمیر کے مطابق کچھ کہنے سے روکنے کے لئے یعنی جو اپوزیشن کی قومی ذمہ داری بنتی ہے اس سے روکنے کے لئے اگر آپ یہ احتساب کا چکر چلائیں گے تو بجائے اس کے کہ اس کا کوئی فائدہ ہو اس کا الٹا نقصان ہو گا۔

اس کے علاوہ میں سمجھتا ہوں کہ accountability اس لئے بھی ضروری ہے جناب کہ Horse Trading جو ہے یہ اب یعنی جو uneducated لوگ ہیں' دیہاتوں میں' گلی کوچوں میں ہیں

وہ بھی ہماری Horse Trading کے اس ناپاک نام سے واقف ہو چکے ہیں اور ساری دنیا میں ہماری بے انتہا جگ ہنسائی ہو چکی ہے اور اب وقت آ گیا ہے کہ کم از کم کیونکہ Horse Trading تو خالصتاً" politicians کے ساتھ کا تعلق ہے تو ہم ہی لوگوں نے کچھ اس قسم کے طور طریقے ڈھونڈنے ہیں کہ جن سے یہ ختم ہو سکے۔ وہ لوگ جو اس ناپاکی میں ملوث نہیں ہیں وہ لوگ کہ جو اس سے مبرا ہیں کم از کم یہ ان کا فرض بنتا ہے کہ وہ ایسے طور طریقے نکالیں۔ تاکہ جو لوگ بھی اس گھناؤنے جرم میں ملوث ہوں ان کو قرار واقعی سزا مل سکے اور میں اس کے حق میں ہوں کہ جناب ایک دفعہ اگر آپ کے با قاعدہ چھان بین کے بعد اور انتہائی دیانتداری سے کسی کو پکڑیں گے وہ قومی مجرم ہے تو پھر اس کے ساتھ کوئی نرمی نہیں ہونی چاہیئے۔ ان کو ایک examplary punishment دی جائے تاکہ آئیندہ نسلوں کے لئے مثال ہو اور کوئی اس قسم کی معیوب حرکات کا تصور تک بھی نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ اس ضمن میں میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ جناب یہ احتساب کا عمل right from the Independence Day ہونا چاہئیے تھا۔ ۴۵ سال پہلے یہ احتساب کا عمل شروع ہو جانا چاہئیے تھا اور سر فہرست میرے خیال میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے foreign rulers کے ساتھ مل کر گٹھ جوڑ کر کے انہوں نے قوم کے خلاف ہر ایک conspiracy میں شامل ہو کر اور اس کے عوض وہ foreign rulers سے سہولتیں حاصل کیں، جاگیریں حاصل کیں، پیسہ کمایا اور بدقسمتی یہ ہے کہ آج بھی اس دولت اور اس پیسے کی وجہ سے وہ economic field میں اور political field میں چھائے ہوئے ہیں۔ ہماری جان ان سے نہیں چھوٹتی۔ میں کہتا ہوں کہ کم از کم کوئی بھی گورنمنٹ اگر وہ مخلص ہے اس ضمن میں کہ یہ accountability جو ہے یہ صحیح طریقے سے ہو تو یہ طبقہ جو ہے جس نے قوم کو لوٹا ہے ملک کو لوٹا ہے اور یہ قومی مجرم ہے، جب تک ان کے ساتھ آپ حساب کتاب نہیں کریں گے ان کو خاطر خواہ سزا نہیں دیں گے تب تک یہ احتساب کا عمل تشنہ رہے گا اور اس کا جو فائدہ ہونا چاہئیے وہ نہیں ہو گا۔

جناب والا! میں اب ایک اور نکتے کی طرف آتا ہوں کیونکہ موجودہ حالات میں صدر محترم کے پارلیمنٹ سے خطاب پر بات کرتے وقت اگر اس نکتے پر کچھ نہ کہا جائے تو یہ اپنی ڈیوٹی میں کوتاہی ہو گی۔ جناب والا! ۱۹ دسمبر کو صدر مملکت کے پارلیمنٹ سے خطاب کے وقت جو بھی نازیبا حرکات ہوئیں اور جو بھی غیر ذمہ دارانہ حرکات ہوئیں میں ان کی شدید مذمت کرتا ہوں۔ کیونکہ میں نہیں سمجھتا کہ اس سے ہم نے صدر محترم کی شان میں کوئی کمی پیدا کی ہے۔ درحقیقت یہ ساری پارلیمنٹ کی بے عزتی

تھی ایک insult تھی ۔ پارلیمنٹ کی، پارلیمنٹ کے ممبران کی۔ میں نہیں سمجھتا کہ آخر اگر ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ اپنے قومی مسائل اسمبلی کے اندر طے کرنے ہیں تو پھر اسمبلی کے اندر کچھ قواعد و ضوابط ہیں ان کا خیال رکھنا پڑے گا۔ اگر ہم ان قواعد و ضوابط کا خیال نہیں رکھیں گے تو پھر بجائے اس کے کہ ہم کسی بھی قومی مسئلے کو پارلیمنٹ کے اندر حل کریں۔ ہم یقیناً" کئی اور مسائل کھڑے کر لیں گے کہ جن کو حل کرنا پھر ہمارے بس کی بات نہیں ہوگی۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایسے طور طریقے اختیار کر کے ہم کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ جناب والا! بلکہ یہ بدقسمتی کہیں کہ میں متاثر پچھلے ۲۰، ۲۲ برس سے پارلیمنٹ کا ممبر ہوں مجھے تو اس میں ایک تسلسل نظر آ رہا ہے۔ جناب والا! جو بھی الیکشن ہار جائے الیکشن کا result ماننے سے انکاری ہے اور اس کے بعد فوراً" ایک agitational politics کی طرف ساری کی ساری توجہ اور ایک ایسی حالت پیدا کرنی کہ جس میں law and order کا مسئلہ ہو اور جس میں کوشش یہ کی جاتی ہے کہ کہ عوام کو سڑکوں پہ باہر لا کر پھر جو شخص بھی انتخابات کے نتیجے میں جو کرسی پہ بیٹھا ہے اس کی ٹانگ کھینچ کر اس کی جگہ خود بیٹھیں۔ یہ عمل بار بار دوھرایا جا رہا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہم ۴۵ برس سے اپنا قومی پیسہ اور قومی وقت اسی پہ ضائع کرتے رہے ہیں۔ آخر اس vicious circle کو کہیں تو آپ نے ختم کرنا ہو گا۔ پارلیمنٹ میں ۱۱۹ دسمبر کو جو کچھ ہم نے کیا میں آپ کو صدق دل سے کہتا ہوں میں بد نیتی سے نہیں کہتا میرا تو سر شرم سے جھک گیا۔ جناب والا! ساری دنیا دیکھ رہی تھیں Services Chiefs بیٹھے ہوئے تھے diplomats بیٹھے ہوئے تھے اور جس غیر ذمہ دارانہ رویئے کا مظاہرہ ہم نے کیا تو اور میں کیا کہوں ساری دنیا ہم پر ہنس رہی تھی۔ جناب والا! عوام ہم سے بجا طور پہ اس بات کی توقع کرتے ہوں کہ ہم ان کو اخلاق سکھائیں۔ ۱۹ دسمبر کے واقعہ کے بعد عوام کیا سوچتے ہوں گے۔ ساتھ ساتھ چلتے چلتے میں یہ بھی عرض کروں کہ جناب اپوزیشن کی سب سے بڑی پارٹی جو اس کی اپنی کچھ مخصوص روایات بھی ہیں۔ پیپلز پارٹی میں بھی میرے بہت سے دوست ہیں میں ان کا بہت احترام کرتا ہوں خصوصیت کے ساتھ یہ زیادتی ہو گی اگر میں یہ عرض نہ کروں کہ اس پارٹی کے کارکن جو ہیں مخلص بھی ہیں، دیانتدار بھی ہیں اور قربانی دینے والے بھی ہیں۔ مجھے اگر شکایت ہے تو وہ top leadership سے ہے۔ یہ پہلی بار ایسا نہیں ہوا ہے میں آپ کی توجہ اس طرف مبذول کراتا ہوں کہ جب ۱۹۷۰ میں انتخابات ہوئے ان انتخابات کے نتیجے میں پیپلز پارٹی انتخابات ہار گئی اور وامی لیگ شیخ مجیب الرحمان کی پارٹی نے الیکشن جیتا تھا ان کا اخلاقی، آئینی اور جمہوری حق تھا کہ اس اسلام آباد میں وہ پانچ برس تک حکومت کریں مگر جناب اس کا کیا کیا جائے یہ ریکارڈ ہے کہ جناب محترم مرحوم ذو الفقار علی

بھٹو صاحب نے کہا کہ جو بھی ممبر اس Constituent Assembly کے اجلاس میں شرکت کرنے کے لئے ڈھاکہ جائیں تو وہ جناب ایک طرف کا ٹکٹ لیں اور واپس آنے کی زحمت گوارا نہ کریں اور جو بھی جائے گا ہم ان کی پسلیاں توڑیں گے، ہم ان کی ٹانگیں توڑیں گے اور اس طریقے اس Constituent Assembly کا جو اجلاس ڈھاکہ میں ہو رہا تھا وہ نہ ہونے دیا۔ آج پاکستان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ اگر ۱۹۷۰ کے انتخابات کے بعد ڈھاکہ میں Constituent Assembly کا اجلاس ڈھاکہ میں ہو جاتا تو آج ملک کے دو ٹکڑے نہ ہوتے۔ جناب والا! یہ بھی میں نہایت افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ جناب مرحوم بھٹو صاحب نے کہا کہ میں سیاست میں اپوزیشن کے بنچوں پر بیٹھنے کے لئے نہیں آیا۔ جناب والا! اس میں آپ خود اندازہ لگائیں کہ یہ چیز کس ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے۔ ہم یہاں بیٹھ کر جمہوری اداروں اور جمہوری عمل کا رونا رو رہے ہیں مگر ان کا سب سے ذمہ دار لیڈر جو ہے یہ خود کہتا ہے It is on record کہ اگر آپ اپوزیشن کے بنچوں پر بیٹھنے کے لئے نہیں آئے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ عوام کا mandate ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ تو جناب مجھے اس میں تسلسل نظر آتا ہے۔ ۱۹۷۰ میں بھی عوام کا mandate انہیں منظور نہیں تھا۔ ۱۹۹۰ میں بھی عوام کا mandate ان کو منظور نہیں تو اس میں اور کیا کہا جا سکتا ہے ماسوا اس کے کہ وہ افسوس ہی افسوس کرتے رہیں۔ جناب والا! اس کے ساتھ ساتھ میں عرض کرتا چلوں ۱۹۷۰ کی جو اسمبلی تھی اس میں اپوزیشن میں بڑے heavy weights تھے جناب خان عبد الولی خان اپوزیشن میں تھے، مرحوم محمود علی قصوری صاحب اپوزیشن میں تھے۔ مرحوم مفتی محمود صاحب اپوزیشن میں تھے۔ سردار شوکت حیات خان تھے، سردار شیر باز مزاری صاحب تھے، ہماری پروفیسر غفور صاحب تھے، بہت سے تھے۔ میں سب کے نام نہیں گن سکتا اور یہ سب کے سب بڑے منجھے ہوئے سیاستدان تھے .ان کو پارلیمنٹ کے آداب سے بخوبی آگاہی تھی وہ مخالفت برائے مخالفت نہیں کرتے تھے۔ اور وہ اپنا نقطہ نظر انتہائی شائستگی کے ساتھ پیش کرتے تھے مگر اس کا کیا کیا جائے کہ مرحوم ذوالفقار علی بھٹو صاحب کو اپوزیشن کا وجود ہی گوارا نہیں تھا۔ ایسے بزرگوں کو زبردستی Sargeant at Arms کے ذریعے گھسیٹ کر ایوان سے باہر پھینک دیا گیا۔

Mr. Chairman: Abdullah Shah Sahib on a point of order.

Syed Abdullah Shah: Sorry for interruption, sir. I think whatever was done then that was done by the Presiding Officer of the Assembly, not by

Zulfiqar Ali Bhutto because Sargeant obeys the orders of the Chair, not the Leader of the House or Leader of the Opposition.

جناب چیئرمین۔ بہر حال آپ کی باری آئے گی آپ وضاحت کر دیں۔

Syed Abdullah Shah: No but I wanted to put the record straight.

جناب عبد الخالق خان۔ میں جناب کیا عرض کروں۔

Mr. Chairman: Who was the Presiding Officer at that time?

Syed Abdullah Shah: I don't remember, sir.

قاضی حسین احمد: ہمارے بھائی عبدالخالق خان اس وقت پیپلز پارٹی کے ایم این اے تھے۔

جناب چیئرمین: یہ صحیح کہہ رہے ہیں؟

جناب عبد الخالق خان: آپ نے درست فرمایا۔

Syed Abdullah Shah: Yes sir, he is our old friend.

جناب چیئرمین: اس لئے وہ کہتے ہیں کہ دل سے جو بات نکلتی ہے وہ اثر رکھتی ہے۔

(مداخلت)

جناب عبدالخالق خان: میں اس کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا تھا میرے نہایت پیارے محترم دوست نے اس طرف میری توجہ دلائی ہے۔ جناب اس وقت جو سماں تھا اس کا میں آپ کے سامنے کن الفاظ میں ذکر کروں ۔ جناب جو شخص بھی سپیکر کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جناب جو شخص بھی President کی کرسی پر بیٹھا تھا وہ کان تک نہیں ہلا سکتا جب تک ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی طرف سے اشارہ نہیں ہوتا تھا ۔ پاکستان کی ساری مخلوق کو معلوم ہے اس وقت صرف اور صرف مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کا حکم چلتا تھا اور پارلیمنٹ کے ممبروں کی جس طریقے سے وہ بے عزتی کیا کرتا تھا۔ میری موجودگی میں اس نے پارلیمنٹ کے ممبروں کو گالی نکال کر اپنے گھر سے نکالا۔

جناب چیئرمین ، چلیں چھوڑیں جی اس تاریخ کو کیا دہرانا ۔ آپ President's Address پر آئیں۔

جناب عبدالخالق خان: میں نہیں کہتا چونکہ انہوں نے کہا ایک سپیکر صاحب بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے ایک independent صوابدید پر کیا۔ ایسی بات نہیں تھی۔

جناب چیئرمین: بہرحال وہ بھی ٹھیک کہہ رہے ہیں بیٹھے تو تھے۔

(مداخلت)

جناب عبدالخالق خان: جناب میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ اگر یہ طور طریقے استعمال کریں اس سے آپ کیا تاثر دیتے ہیں آپ یہی تاثر دیتے ہیں کہ جمہوری عمل ناکام ہو چکا ہے یعنی پارلیمنٹ فیل ہو گئی ہے تو آپ undemocratic force کو دعوت دے رہے ہیں کہ آؤ اب تم سنبھالو۔ یہ تو clear cut مارشل لاء کا ایک دعوت نامہ ہے مجھے جو خدشات ہیں وہ اس واسطے ہیں میں یہ کہوں گا کہ جو کچھ بھی ہوتا رہا ایک انتہائی غیر ذمہ دارانہ ذہنیت کا مظاہرہ ہو رہا تھا اور دوسرا ان کا ذمہ دارانہ رویہ اور ان کا باوقار رویہ وہ بھی دیکھنے کے قابل تھا۔ یہ جو ہم یہاں رونا رو رہے ہیں یہ اس لئے رو رہے ہیں ہم پارلیمنٹ کے ممبر ہیں اور ہم نے یہاں بیٹھ کر ملک و قوم کے مسائل حل کرنے ہیں۔ اگر پارلیمنٹ کو ہی ہم اس طریقے سے چلتا کریں اس کے بعد کیا رہ جاتا ہے۔ جناب میں یہ عرض کروں کہ اس وقت کیا کچھ ہو رہا تھا۔ جناب عالی! اس وقت بہت کچھ ہوا ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہم اس کے عینی شاہد ہیں اور اس کا تذکرہ ساری دنیا میں ہوا پاکستان میں نہیں ساری دنیا میں جو کچھ ہو رہا تھا۔ آپ کن سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ایک democratic ذہنیت کا مظاہرہ کریں گے۔ میں صرف ایک نکتے کی طرف آپ کی توجہ چاہتا ہوں کہ یہ سہرہ بھی انہی کے سر ہے۔ دنیا میں واحد Civil Chief Martial Law Administrator انہوں نے پیدا کیا۔ اس وقت ہمارا ایک منشور ہوتا تھا اس کے ماتھے پر لکھا ہوتا تھا کہ جمہوریت ہماری سیاست ہے۔ مگر ہم نے Civil Chief Martial Law Aministrator پیدا کیا۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے 104 ممبروں سے دستخط لئے کہ ہم مارشل لاء چاہتے ہیں اور 104 میں کوئی بھی اس قابل نہیں تھا کہ وہ انکار کرتا اوپر سے حکم آیا ہے یا تو پھر وہ اپنی ممبری کھو بیٹھتا یا اس قسم کے اسناد پر وہ دستخط کرتا۔ میں یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ یہ ذہنیت جو ہے جس کا آج مظاہرہ ہو رہا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مجھے اس سے کوئی حیرت نہیں ہوتی آپ بھی تھوڑا سا وقت نکال کر اس منظر کو دیں تو آپ بھی کوئی حیرت محسوس نہیں کریں گے۔ جناب! اب long march کا پروگرام بنایا ہے۔ یہ long march کیا ہے یعنی law and order situation پیدا کرنا۔ دنگا فساد کرنا

یہ تو ایسے ہوا انہوں نے اپنی طرف سے قطعاً فیصلہ کر لیا ہے۔ اب ہمارے سارے فیصلے سڑکوں پر ہوں گے اور پارلیمنٹ میں صرف حاضری لگوانے کے لئے ہم آ کر بیٹھ جایا کیں گے۔ میں تو اب بھی کہتا ہوں کہ دو ٹوک طریقے سے آپ فیصلہ کریں میں اس کے حق میں ہوں اگر اپنی رائے کے اظہار کرنے کے سارے قانونی، جمہوری اور آئینی راستے بند ہوں تو آپ کو حق پہنچتا ہے کہ آپ عوام کو پھر سڑکوں پر لائیں اور ایک law and order situation پیدا کریں اور حکومت وقت کو topple کریں مگر جب جمہوری، قانونی اور آئینی راستے کھلے ہیں آپ اور ہم روزانہ دیکھتے ہیں اخبارات میں ان کے جس قسم کے بیانات اور اسمبلی کے اندر ان کی جس قسم کی تقاریر ہوتی ہیں پریس کانفرنسوں میں یہ جس قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اس کے علاوہ اور کیا چاہیئے۔ میں یہ اس لیئے عرض کر رہا ہوں کہ مجھے جو خدشہ ہے وہ یہ ہے اگر ہم اس کو اس طریقے سے brush aside کریں ایک یہ معمولی سا واحد واقعہ تھا جو ہو گیا چلو اس بارے میں کیا وقت ضائع کرنا ہے اس کے بارے میں جتنا کم کہا جائے اتنا بہتر ہو گا۔ میں اس کے حق میں نہیں ہوں۔ میں تو کہتا ہوں یہ جو long march کل سے شروع ہوا ہے یہ صرف اور صرف اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو کرسی پر بیٹھا ہے اس کی ٹانگ کھینچو۔ انتخابات ہو گئے اگر آپ کو منظور نہیں تھے آپ Election Commission کے پاس جاتے جناب عالی عوام کا mandate منظور نہیں ہے۔ Election Commission جو ہے وہ منظور نہیں ہے، عدالتیں جو ہیں وہ منظور نہیں ہیں۔ صدر جو ہے وہ منظور نہیں ہے۔ یہ بالکل سیدھی بات ہے کہ جیسے بھی ہو ہمیں تو کرسی چاہیئے۔ ہمیں تو اقتدار چاہیئے خواہ باقی ماندہ پاکستان کا ستیاناس ہی کیوں نہ ہو جائے اور یہ ایک مضحکہ خیز position ہے۔ صدر صاحب کو نہیں مانتے حالانکہ President صاحب انہی کے ووٹوں سے President بنے ہیں۔ Secret ballot میں اگر پیپلز پارٹی کے اراکین ووٹ نہ دیتے تو وہ President نہ ہوتے۔ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا اور میں اس میں کوئی عار محسوس کرتا جس وقت Presidentship کے لئے الیکشن ہو رہا تھا۔ میری پارٹی نے غلام اسحاق خان صاحب کو ووٹ نہیں دیئے تھے۔ غلام اسحاق خان کو صدر تو انہوں نے بنایا۔ یہ اب وہی آدمی ہے، وہی شخصیت ہے، وہی شکل و صورت ہے جس کو ووٹ دیئے تھے۔ آخر ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ راتوں رات ایسی کون سی بات ہو گئی ہے کہ آپ لوگ کس کے پیچھے ہاتھ دھوکر پڑے ہوئے ہیں۔ میں نہیں کہتا، یہ بات اخبارات میں بھی آ چکی ہے کہ جن لوگوں کو inherent information ہے وہ نجی محفلوں میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں کہ اس پارٹی کو green signal ملا ہے یہ تو امریکہ کی طرف سے ملا ہے۔ محترم صدر صاحب کا جرم یہ ہے کہ انہوں نے پہلی بار ایک independent اور sovereign state کے صدر

کی حیثیت سے امریکہ کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے انکار کیا' انہوں نے اپنے قومی مفادات پر سودے بازی سے انکار کیا' انہوں نے nuclear issue جس پر امریکن بہت ہی زیادہ حساس ہیں ' یہ سب کے ہاتھوں میں یہ power دیکھنا چاہتے ہیں مگر کسی اسلامی ملک کے ہاتھوں میں یہ power نہیں دیکھنا چاہتے' سودے بازی کرنے سے انکار کیا ہے۔ امریکن کی priority یہ ہے کہ اگر ہم اس سے آج بھی دستبردار ہوتے ہیں اور آپ ان کے ساتھ سمجھوتا کرتے ہیں' اگر آپ compromise کرتے ہیں' تو وہ آپ کو سب کچھ دینے کو تیار ہیں' آپ کی امداد بھی بدستور بحال کر دی جائے گی' اور آپ کے ساتھ جو تعلقات تھوڑے بہت کشیدہ ہو گئے ہیں' وہ کشیدگی بھی چلی جائے گی۔ جیسے کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ ایک شخص' 45 برس کے بعد' قومی وقار کے عین مطابق ملا ہے۔ امریکہ کو پہلی مرتبہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہم نے آپ کی بہت خدمت کی ہے۔ ہم نے آپ کی بہت تابعداری کی ہے اور اس کا نتیجہ ساری دنیا کے سامنے ہے۔ ظاہر ہے اب ہم جو بھی پالیسی بنائیں گے وہ خالصتاً قومی مفاد کو مدنظر رکھ کر بنائیں گے۔ اس لئے اب پارلیمنٹ کے اراکین کو چاہیئے کہ ان کے ہاتھ پیر مضبوط کریں یعنی ان کے ساتھ تعاون کریں ان کو encourage کریں' یہ ایک نئی چیز ہے' ہم تو اس کے لئے ساری عمر یہی رونا روتے رہے کہ ہماری جناب کوئی پالیسی بھی آزاد نہیں ہے۔ بلکہ ہماری basic پالیسیاں جو بھی ہوتی تھیں وہ واشنگٹن سے بن کر آتی تھیں' dictation وہاں سے ہوتی تھی اور یہاں پر کرسیوں پر بیٹھی ہوئی جو بھی مقتدر شخصیات تھیں ان میں سے کسی کے بس کی بات نہیں تھی کہ وہ اس dication کے سامنے "نہ" کہہ سکتے۔ اب پہلی مرتبہ ایسا ہوا۔ اس سے ہمیں روشنی کی ایک کرن نظر آئی ہے۔ اگر ہم اب کہتے ہیں کہ ہمارے صدر محترم اس قسم کا رویہ اختیار نہ کریں' یعنی اس طرح کر کے ہم کس کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ہم قوم کے نمائندے ہیں اور یہ پارلیمنٹ جو ہے یہ سراسر قومی مفادات کے تحفظ کے لئے ہے کیا ہم کسی دوسری foreign government کے تابع ہیں اور ہم کون سے مفادات کو سامنے رکھ کر سیاسی پالیسیاں وضع کر رہے ہیں۔

جناب والا! میں آخر میں میں کہوں گا کہ عقلمند وہ ہے جو دوسروں کی غلطیوں سے کچھ سیکھے۔ ہم اتنے بدقسمت لوگ ہیں کہ ہم اپنی غلطیوں سے بھی کچھ نہیں سیکھتے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ جو لوگ اس خوش فہمی میں ہیں کہ اس قسم کی صورت حال پیدا کر کے گڑبڑ کے ذریعے سے' ایک حکومت کو ہٹا کر وہ خود اقتدار میں آئیں گے' میں اس کے لئے لکھ کر دینے کو تیار ہوں اگر ایسا ہوا' جس کے ہونے کے امکانات بہت کم ہیں' اگر ایسا ہوا بھی تو کم از کم اپوزیشن جو ہے وہ اقتدار میں نہیں آئے

گی پھر جناب undemocratic forces جو ہیں وہ اقتدار میں آئیں گی، پھر نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری۔ شکریہ۔

جناب چیئرمین۔ شکریہ۔ قاضی صاحب، آپ بولنا چاہتے ہیں، تو جائیے، یہ بھی اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ اگر ممبران اجازت دے دیں تو، کیونکہ آپ سے پہلے دو تین ممبران ابھی رہتے ہیں۔ ملک محمد علی صاحب ہیں، ڈاکٹر بشارت الٰہی صاحب ہیں، کیا آپ ان کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ تقریر کر لیں۔

ڈاکٹر بشارت الٰہی، ٹھیک ہے جی۔

قاضی حسین احمد: بہت شکریہ جناب چیئرمین صاحب آپ کا بھی اور اس معزز ایوان کا بھی، خاص طور پر ڈاکٹر بشارت الٰہی صاحب کا۔

جناب چیئرمین! صدر صاحب کی تقریر بھی ایک policy statement ہوتی ہے، یہ تمام ملکی امور کا احاطہ کرتی ہے اور یہ ایک سال کی کارکردگی پر تبصرہ بھی ہوتی ہے۔ صدر صاحب نے تیسری بار، اپنی صدراتی تقریر میں اندرونی اور بیرونی تمام معاملات کا احاطہ کیا ہے۔ اس طرح سے ہمیں بھی صدر صاحب کی تقریر پر اظہار خیال کرنے کا، vote of thank کے موقع پر، موقع ملتا ہے تاکہ ہم بھی ملک کے جتنے داخلی اور خارجی مسائل ہیں ان پر بات کر سکیں۔

میں سب سے پہلے تو اس نازیبا صورت حال پر جو صدر صاحب کی تقریر کے دوران پیش آئی اظہار ناپسندیدگی کرتا ہوں۔ میرے خیال میں یہ ایک ارادی کوشش تھی اس بات کی کہ ملک کے اندر دستوری اداروں کو نقصان پہنچایا جائے، جمہوری روایات کو پامال کیا جائے اور ملک کے اندر crisis پیدا کئے جائیں۔ بحران پیدا کیا جائے۔ جمہوری اداروں کی توہین اور جو مسلمہ جمہوری اور پارلیمانی اصول ہیں، ان کی پامالی کا، اس کے سوائے اور کوئی مقصد نہیں ہو سکتا کہ ان پر اظہار عدم اعتماد کیا جائے اور اس کے نتیجے میں ایک ایسی صورت حال پیدا کی جائے کہ لوگوں کا جمہوری اداروں اور جمہوری اصولوں پر سے اعتماد اٹھ جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد ملک کے اندر افراتفری پیدا ہو سکتی اور اس دوران میں طالع آزما کو ہی موقع مل سکتا ہے کہ وہ جمہوری اداروں کو توڑ کر، اس کے اندر اپنی من مانی قائم کرے اور اس کا تجربہ ہمیں کئی بار پہلے ہو چکا ہے۔ اس لئے کہ کوئی پارٹی جو یہ دعویٰ کرتی ہے کہ اس کی عوام میں جڑیں گہری ہیں اور وہ عوامی تائید سے سرفراز ہے، اس کے لئے یہ بات تو قطعاً نامناسب نہیں ہے، اس کو صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیئے۔ صبر اور استقامت کے ذریعہ سے ہی جمہوری اصولوں کو مستحکم کر

کے اپنا جمہوری حق حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

جناب چیئرمین! ملک کے اندر جو امن و امان کی صورت حال ہے، وہ اچھی نہیں ہے اور اس کے اندر کوئی بہتری کے آثار بھی پیدا نہیں ہوئے۔ پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں یہ شکایت تھی کہ ملک کے اندر امن و امان کی صورتحال اچھی نہیں ہے اور خاص طور پر سندھ میں بھی جہاں سے پیپلز پارٹی بھاری اکثریت سے جیت کر آئی تھی۔ جن کے دور میں یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہاں امن و امان کی صورت حال بہتر ہو گی لیکن وہ بھی سندھ کی صورت حال کو بہتر نہ بنا سکے۔ لیکن موجودہ حکومت نے بھی اس سلسلے میں کوئی کارہائے نمایاں سر انجام نہیں دیئے، اور اس وقت بھی ملک کا سب سے بڑا مسئلہ امن و امان ہے۔ اور سندھ میں صورتحال یہ ہے کہ وہاں کے بڑے بڑے زمیندار جو وہاں کی معاشرتی زندگی میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں، انہوں نے بھی اس بات کا اظہار کیا ہے اور اس بارے میں مجھے ذاتی طور پر بہت سارے لوگوں نے بتایا ہے کہ اپنے کھیتوں میں بھی چوروں کی طرح جاتے ہیں، گھنٹہ دو گھنٹہ وہاں پر دیکھ بھال کر کے جلدی سے واپس گھر آنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جناب چیئرمین! اگر کسی ملک میں امن و امان کی صورتحال یہ ہو جائے کہ ہاری اپنے کھیت پر نہیں جا سکتا، اس کے لئے کھیت کو پانی دینا ناممکن ہو جائے، تو پھر اس ملک میں روزگار کے مواقع کیسے پیدا ہو سکتے ہیں، کیسے میسر ہو سکتے ہیں، پھر کیسے اقتصادی خوشحالی آسکتی ہے۔

جناب چیئرمین! اقتصادی صورتحال ملک کی بہتر نہیں ہے بے روزگاری روزافزوں ہے مہنگائی بڑھ رہی ہے اور ملک میں افراط زر کا مسئلہ اسی طریقے سے بڑھ رہا ہے ملک میں مسلسل نوٹ چھاپ کر گزارہ کیا جا رہا ہے۔ اور خود کفالت کا اور معیشت کا بڑا ڈنکا بجایا جا رہا تھا لیکن اس خود کفالت کی پالیسی کو بھی ترک کر دیا گیا اور اس وقت حکومت کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے کہ وہ کس پالیسی کو لے کر چل رہی ہے۔ معاشی میدان میں وزیراعظم صاحب نے ایک وعدہ کیا تھا لوگوں کے ساتھ آئی جے آئی کے منشور کے طور پر، ایک mandate تھا اور جو لوگوں نے ووٹ لینے کے لئے ایک منشور لکھا گیا تھا لیکن اس منشور کو یکسر ترک کر دیا گیا ہے اور وزیراعظم ایک de-nationalization اور privatization کی پالیسی کو لے کر چل رہے ہیں۔ اور جس طرز پر وہ چلا رہے ہیں اس کا آئی جے آئی کے منشور میں ذکر نہیں ہے۔

جناب چیئرمین! I.J.I. کے منشور میں جو بڑی بڑی باتیں تھیں معیشت کے علاوہ بھی اور جس کی بنیاد پر لوگوں نے I.J.I. کی حکومت پر اعتماد کیا اور ان کو ووٹ دئے اور یہ حکومت بنانے کے قابل ہوئے

اور بھاری اکثریت سے یہ کامیاب ہوئے ان میں سب سے بڑی بات امریکی پالیسیوں کی مخالفت تھی۔ آئی جے آئی کے جلسوں میں جو سب سے بڑا سلوگن لکھا گیا وہ anti-Americanism کا slogan تھا۔ اور امریکی پالیسیوں کی مخالفت ہی کی بنیاد پر لوگوں سے ووٹ حاصل کئے گئے لیکن اس وقت صورتحال یہ ہے جناب چیئرمین! پیپلز پارٹی اور حکومت کے درمیان امریکہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اور دوڑ جاری ہے اس بات میں کہ کون امریکہ کے زیادہ قریب ہوگا اور کون زیادہ قرب حاصل کرے گا۔ جناب چیئرمین! یہ منشور سے بالکل منہ موڑنے والی بات ہے اور منشور کو نظرانداز کرنے والی بات ہے ہمارے منشور میں۔ یہ بھی کہا گیا تھا کہ ہم اپنے نیوکلیئر پروگرام کو جاری رکھیں گے لیکن ہماری وزارت خارجہ کے ذمہ دار افسران نے اس کا عندیہ ظاہر کیا ہے کہ وہ 1990ء کے level پر اپنے نیوکلیئر پروگرام کو روکنے کے لئے، منجمند کرنے کے لئے' freeze کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ I.J.I. کے منشور کے یکسر خلاف انہوں نے بات کی ہے۔ اگر وہ اپنے نیوکلیئر پروگرام سے واپسی کا عندیہ ظاہر کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کا mandate لوگوں نے موجودہ حکومت کو نہیں دیا ہے۔

اسی طرح سے جناب چیئرمین! کشمیر کے بارے میں واضح اور دو ٹوک موقف تھا آئی جے آئی کا اور یہ ہمارے بڑے بڑے انتخابی نعروں میں ایک بڑا نعرہ تھا کشمیری مجاہدین کی حمایت، لیکن آزاد کشمیر کے علاقے میں ہندوستانی مبصروں کو موقع دیا گیا کہ وہ وہاں پر دیکھیں اور حکومت نے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا ہے اور کہتی یہ ہے کہ ہم تو محض ان کے ساتھ انسانی اور اخلاقی بنیادوں پر ان کی حمایت کرتے ہیں اور ہمدردی کر رہے ہیں۔ حالانکہ جناب چیئرمین! حکومت اگر یہ نہیں کرسکتی کہ جس وکالت کا اس نے ذمہ لیا ہے، کشمیری مجاہدین کی حمایت کا جو ذمہ لیا ہے اور ان کو رائے شماری کا اور اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کرنے کا حق دینے کا ذمہ لیا ہے یہ حکومت پاکستان کی ذمہ داری ہے۔ لیکن اگر وہ بھارت کو اس پر آمادہ نہیں کرسکتی کہ وہ بیٹھے اور کشمیریوں کو اس کا حق رائے دہی کے اختیار کا موقع فراہم کرے تو ظاہر ہے کہ کشمیریوں کے پاس اور کون سا راستہ رہ جاتا ہے۔ اور پھر پاکستان کے ساتھ ان کی حمایت کا کون سا راستہ رہ جاتا ہے بجائے اس کے کہ وہ اپنا حق حاصل کرنے کے لئے مسلح جدوجہد بھی شروع کر دیں تو پاکستان ان کی حمایت کرے اور کھل کر کرے اور معذرت خواہانہ رویہ ترک کردے اس کے علاوہ پاکستان کے لئے کوئی دوسرا باوقار راستہ نہیں ہے۔

لیکن جناب چیئرمین! کشمیر میں تو اب صورتحال یہ ہوگئی ہے کہ آزاد کشمیر کے عوام جب

تنگ آکر کنٹرول لائن کی طرف جاتے ہیں تو ہندوستانی بندوقوں کے بجائے ان کو پاکستانی بندوقوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور یہ حکومت کی بے تدبیری کی واضح علامت ہے اور ثبوت ہے۔ اگرچہ اس طریقے سے عوام کا کنٹرول لائن کی طرف بڑھنا صحیح نہیں بھی ہے اور اس میں ان کا نقصان بھی ہوتا ہے تب بھی حکومت کے پاس بہت سارے ایسے دانشمندانہ طریقے ہیں کہ وہ ان کے جوش و خروش میں ان کا ساتھ دے سکتی ہے اور ان کو آرام اور طریقے سے سمجھا سکتی ہے۔ لیکن حکومت نے کوئی بھی دانشمندانہ رویہ اختیار کرنے کی بجائے اسی trap میں پھنس گئی جو بھارت کا بچھایا ہوا trap ہے۔ جو مغربی ذرائع ابلاغ کا بچھایا ہوا trap ہے جو مغربی ممالک کا بچھایا ہوا trap ہے کہ کشمیریوں کے ساتھ پاکستانی قوتیں بھی الجھ پڑیں اور یہ propaganda کیا جاسکے کہ کشمیری تو جس طرح ہندوستان کے ساتھ لڑ رہے ہیں اسی طرح پاکستان کے ساتھ بھی لڑے رہے ہیں۔ یہ propaganda فراہم کرنے کے لئے حکومت پاکستان نے اپنی بے تدبیری سے ان کو ایک موقع فراہم کیا ہے۔

جناب چیئرمین! فلسطینی مجاہدین کے ساتھ ہماری مدد ہمارے منشور کا حصہ تھا آئی جے آئی کے منشور کا، لیکن فلسطین کے بارے میں ہماری واشنگٹن میں سفیر نے کہا کہ اسرائیل کے ساتھ ہمارا کوئی براہ راست تنازعہ نہیں ہے اگر عرب ان کے ساتھ اپنا تنازعہ ختم کردیں تو ہم بھی ختم کرنے کے لئے تیار ہیں ہمارا کوئی براہ راست تنازعہ نہیں ہے۔ حالانکہ جناب چیئرمین! پہلی بات یہ ہے کہ یہ تنازعہ عربوں کا نہیں ہے یہ تنازعہ مسلمانوں کا اسلامی تنازعہ ہے بیت المقدس کے بارے میں فلسطین کے بارے میں علماء کی یہ رائے ہے اور ان کا یہ فتویٰ ہے کہ فلسطین کے ایک انچ زمین سے دستبردار ہونا حرام ہے۔ کیونکہ فلسطین مسلمانوں کا تاریخی وطن ہے۔ یہاں پر 1917ء میں پانچ فیصد تھودی تھے سارے یہودیوں کو باہر سے لا کر یہاں آباد کیا گیا ہے کوئی امریکی، کوئی Scandinavian اور کوئی روسی یہودی ہے اور وہاں کے جو اصل باشندے ہیں ان کو نکال کر باہر کردیا ہے، پھینک دیا گیا ہے۔ اس وقت بھی اس بیت المقدس میں یہ ہو رہا ہے کہ گھروں سے عربوں کی families کو باہر سڑکوں پر پھینکا جاتا ہے اور مکانات یہودیوں کے حوالے کئے جا رہے ہیں۔ ایسی صورت میں جناب چیئرمین! یہ کسی خاص زبان بولنے والوں کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ہمارا دینی اور عقیدے کا مسئلہ ہے۔ اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ عربوں کی نمائندگی کا حق ہے وہ بھی الجزائر نے ثابت کردیا ہے کہ وہاں کے ڈکٹیٹروں اور وہاں کے حکمرانوں کو نمائندگی کا حق نہیں ہے۔ جو بادشاہ ہیں جو ڈکٹیٹرز ہیں وہ عوام کی مرضی کے خلاف ان کے اوپر مسلط ہیں اور ان کو کوئی حق نہیں ہے کہ یہ فلسطین کے مستقبل کا سودا کرے۔ اور وہاں ایک طرف فلسطینیوں پر مظالم

ڈھائے جا رہے ہیں اور دوسری طرف میڈرڈ میں اور دوسری جگہوں میں ان کے ساتھ بیٹھے ہوتے ہیں۔

جناب چیئرمین! اس وقت سب سے بڑا مسئلہ جو عالم اسلام کی کنجی ہے اس کی کلید اس کی شاہ کلید ہے وہ افغانستان کا مسئلہ ہے۔ افغانستان میں سب لوگ چاہتے ہیں کہ وہاں کے مسئلے کا حل ہو اور جلد سے جلد ہو۔ جلد از جلد کرنا بھی اور اس کو حل کرنا یہ تمام مسلمانوں اور لوگوں کی خواہش ہے۔ لیکن جناب چیئرمین حکومت امریکن لائن کو toe کر رہی ہے اور امریکی یہ مسئلہ حل نہیں کرنا چاہتے۔ افغانستان کے مسئلے کو وہ اسی طریقہ سے مسئلہ رکھنا چاہتے ہیں۔ یہاں پر turbulent رکھنا چاہتے ہیں اور افغانستان کو turbulent رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ کابل پر ایک unpopular government مسلط ہو۔ Popular Government اگر کابل میں آئے گی تو افغانستان کا مسئلہ حل ہوگا۔ اس لئے امریکی ایک un-popular Government مسلط رکھنا چاہتے ہیں۔ تاکہ افغانستان کی turbulence جاری رہے اور وہاں پر countryside پر جو لوگ ہیں وہ الگ قسم کے لوگ رہیں۔ اور شہر پر جو لوگ قابض ہیں وہ الگ رہیں۔

جناب چیئرمین: قاضی صاحب زرا ایک منٹ تشریف رکھیں گے؟

Gentlemen it is with great pleasure I announce that we have in our mids today a delegation representing the Provincial Assemblies that is all the four Provincial Assemblies of Pakistan. They are here at the invitation of the Pakistan Senate and I am confident that their presence will promote understanding between the Senate and the four provincial Assemblies and also lead to closer collaboration between the provincial assemblies themselve. On behalf of the Senate and on my own behalf I warmly welcome all the members of the delegation to the Senate. The delegations are headed in respect of Punjab by Mr. Manazar Ali Ranjha, the Deputy Speaker. The Sindh delegation is headed by the Speaker of the Sindh Assembly Mr. Abdur Raziq Khan. The NWFP delegation is headed by Haji Muhammad Adeel, the MPA and the Balochistan delegation is headed by Malik Sikandar Khan, Speaker. We warmly welcome them to this House.

Qazi Hussain Ahmed please continue.

قاضی حسین احمد : تو جناب چیئرمین! امریکہ نہیں چاہتا کہ افغانستان کا مسئلہ حل ہو۔ اس کا بالکل ثبوت ہمیں یہاں سینیٹر پریسلر کے visit سے ملا اور میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ سینیٹر پریسلر امریکہ سے یہاں پاکستان اور ہندوستان آئے اور وہ اپنی حکومت کی پالیسی کے خلاف یہاں کوئی بات کرے۔ اس نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ اس کی حکومت کی پالیسی کی غمازی کرتا ہے اور سینیٹر پریسلر کا ہمیں شکرگزار ہونا چاہیئے کہ جو چیز وہ چھپانا چاہتے تھے وہ اس نے کھل کر بیان کردی اور اس نے کہا ہے کہ پاکستان سے لے کر وہاں مشرقی یورپ تک مسلسل ایک بلاک ہے مسلمانوں کا اور اس میں افغانستان، ایران اور ترکی کے علاوہ وسط ایشیاء کی چھ جمہوریتیں اور پھر خود روس کے اندر جو autonomous regions ہیں وہ اور اس کے بعد پھر مشرقی یورپ میں مسلمانوں کے اکثریتی علاقے ہیں۔ اس نے کہا اتنا بڑا وسیع مسلسل علاقہ مسلمانوں کا۔ اگر وہ ایک دوسرے سے ملتا ہے اور متحد ہوتا اور آپس میں ان کے تجارتی روابط بڑھتے، صنعتی روابط بڑھتے اور European Common Market کی طرح European Economic Community کی طرح یہاں ایک دوسری homogeneous community develop ہوتی ہے تو یہ ایک بہت بڑی طاقت یہاں پر مسلمانوں کے پاس آ رہی ہے اور ہم اسے اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہیں اور ہم اسے برداشت نہیں کرتے۔ یہ سینیٹر پریسلر نے واضح طور پر پاکستان کی سرزمین پر اپنی ایک پریس کانفرنس میں کہا۔ اس کے بعد یہ سمجھنا کہ امریکہ یہ چاہے گا کہ افغانستان کا مسئلہ حل ہو اور افغانستان میں امن قائم ہو اور پاکستان کا افغانستان کے راستے سے Central Asian ممالک کے ساتھ کوئی روابط قائم ہوں۔ تو یہ اپنے آپ کو فریب اور دھوکہ دینے والی بات ہوگی۔ اس لئے جو بھی U.N.O. کا فارمولا ہے وہ فارمولا امریکہ کا دیا ہوا ہے۔ یہ امریکہ کا فارمولا ہے U.N.O. کا فارمولا نہیں ہے۔ اس کا جو پہلا نکتہ ہے وہ cease fire ہے۔ سب سے پہلے وہ cease fire چاہتے ہیں۔ cease fire سے ان کا مقصد یہ ہے کہ جہاں بھی کوئی ہتھیار ہے اسے ترک کر دیں؛ چھوڑ دیں۔ ہتھیار ڈال دیں تاکہ مورچے ٹھنڈے پڑ جائیں اور اس کے بعد اپنی مرضی کی manipulation اور اپنی مرضی کے لوگوں کو مسلط کرنے کا موقع ملے اور جس طرح سے تمام اسلامی ممالک میں انہوں نے اپنے پٹھو بٹھا رکھے ہیں تو افغانستان میں بھی وہ یہی چاہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ لویہ جرگہ اور intra Afghan dialogue جناب چیئرمین! ایسے دور میں جبکہ پورے ملک، پوری دنیا میں وہ جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔ جمہوریت ہونی چاہیئے اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہر آدمی کو حق ہونا چاہیئے۔ ایک ایسے دور میں وہ افغانستان کے لئے لویہ جرگہ کی بات

کرتے ہیں۔ لویہ جرگہ کیا ہے۔ لویہ جرگہ کی ابھی تک کوئی بھی definition نہیں کر سکا۔ لویہ جرگہ بادشاہ کے زمانے میں تو وہ ہوتا ہے جس میں بادشاہ کے hand picked نامزد لوگوں کو وہ جمع کر دے اور وہ کہہ دے کہ یہ میرا جرگہ ہے اور اس کے ذریعے میں فیصلے کروں گا۔ بادشاہ نہیں ہے۔ وہاں پر جو authority ہے وہاں پر بادشاہت تو موجود نہیں ہے۔

(مداخلت)

قاضی حسین احمد : تو یہ لویہ جرگہ نامی کوئی چیز، کوئی ادارہ افغانستان میں اس وقت وجود نہیں رکھتا۔ یہ غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے کہ لویہ جرگہ کے نام سے شاید کوئی مسلمہ ادارہ ہے۔ افغانستان میں جسے بلانے کی دیر ہے۔ جناب چیئرمین! کوئی لویہ جرگہ، کوئی ایسا ادارہ نہیں ہے افغانستان میں جسے تمام لوگ مانتے ہوں جسے تسلیم کرتے ہوں کہ یہ آدمی جرگہ کا ممبر ہے اور اس سے رائے لینی چاہیئے۔ اور پھر یہ بات ہے کہ افغانستان تبدیل ہو چکا ہے۔ وہ افغانستان نہیں رہا جو آج سے قبل ۱۹۷۷ء کا افغانستان تھا جب ظاہرشاہ وہاں پر حکومت کرتا تھا۔ یہ ۱۹۶۲ء سے پہلے کا افغانستان بھی نہیں ہے۔ ۱۹۶۲ء میں وہاں ایک constitutional monarchy آئی پھر کچھ مدت تک ۱۹۷۲ء تک وہ constitutional monarchy رہی پھر اس کے بعد داؤد خان نے وہاں dictator ship قائم کر دی اس کے بعد ۱۹۷۷ء میں وہاں نورمحمد ترکئی کا انقلاب آیا جو انقلاب ثور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جنہوں نے نادر شاہی خاندان کے خلاف اپنا سارا زور صرف کیا اور ان کی شہریت بھی انہوں نے ختم کر دی جو ابھی پچھلے ماہ انہوں نے بحال کی ہے۔ یہ نور محمد ترکئی کے زمانے میں انہیں متہم کیا گیا۔ ہر طرح کے الزامات ان پر لگائے گئے۔ لیکن جب ان کا انقلاب ناکام اور فیل ہوا اور اب وہی لوگ جو اس پورے عرصہ میں محمد خان داؤد کے ساتھ تھے یا ترکئی کے ساتھ تھے یا ببرک کو اپنا بھائی کہتے تھے اور اس کے نعرے لگاتے تھے وہی لوگ اب دوبارہ ظاہرشاہ کے حامی بن رہے ہیں اور ظاہرشاہ کو بلانا چاہتے ہیں اور اس کے لئے وہ لویہ جرگہ کی بات کرتے ہیں۔ کسی نہ کسی طرح کوئی بہانہ بنایا جائے اور اس کے ذریعہ ظاہرشاہ کو مسلط کیا جائے۔ جناب چیئرمین! اسی پر اعتراض ہے افغانستان کے مجاہدین کو بھی کہ دوسری ساری دنیا کے لئے انتخابات ہیں اور ہمارے لئے hand picked لوگوں کی ایک مجلس ہے جس کو انہوں نے اپنی طرف سے خودساختہ نام دے رکھا ہے کہ یہ لویہ جرگہ ہے۔ اسے وہ قطعاً تسلیم نہیں کریں گے اور اس طریقہ سے آنے والی حکومت کا راستہ ہموار کرنے کے لئے یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ وہ بغیر کسی شرط کے ceasefire کریں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ceasefire ہونا چاہیئے یا نہیں۔ میں (inter Afghan dialogue) کی بحث میں نہیں جانا چاہتا۔ میں

صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں جناب چیئرمین! کہ یہ عملی صورت نہیں ہے۔ practicality پر مجھے شک ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ عملاً ممکن نہیں ہے کہ اس طریقے سے افغانستان کا مسئلہ حل ہو گا میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ امریکہ کو بھی یہ معلوم ہے کہ یہ اس طرح سے حل نہیں ہو گا۔ وہ اسی لئے اس بات پر اصرار کر رہا ہے کہ اس طریقے سے مسئلہ حل نہ ہو اور وہ مسئلہ حل نہیں کرنا چاہتا۔ وہ turbulent افغانستان رکھنا چاہتا ہے۔ اسی لئے رکھنا چاہتا ہے کہ ہمارا اور وسط ایشیا کا آپس میں رابطہ ممکن نہ ہو سکے۔

جناب چیئرمین! پھر لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے پاس کیا حل ہے یعنی اگر آپ اقوام متحدہ کے حل کی مخالفت کرتے ہیں تو خود کوئی حل پیش کریں، کوئی دوسرا راستہ بتائیں۔ اس کے لئے بہت ہی معقول حل لوگوں نے پیش کیا ہے۔ وہ فارمولا اس سے زیادہ قابل عمل بھی ہے اور ممکن ہے کہ تمام لوگ اس کے بارے میں آپس میں متفق ہو سکیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ اگر لوئی جرگہ اور inter Afghan dialogue کے ذریعے نجیب اللہ کو ہٹنے پر مجبور کر سکتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ اس کو مجبور کر سکتے ہیں کسی دوسرے فارمولے پر بھی۔ اس لئے اس کی بجائے آپ یہ کریں کہ تمام مجاہدین کے گروپس سے پوچھ لیں۔ اس میں کچھ لوگوں نے اس کا اعلانیہ یہ حل بتایا ہے کہ ایسے غیر جانبدار لوگوں کی حکومت بنائی جائے جو کہ نہ ظاہرشاہ سے تعلق رکھتے ہوں نہ نجیب اللہ سے، نہ ان سات یا نو Afghan leaders سے۔ ان تمام لوگوں کو exclude کر کے ایسے لوگوں کی ایک neutral اور غیر جانبدار حکومت بنائی جائے جس پر تمام لوگ متفق ہو سکیں کہ یہ غیر جانبدار ہیں۔ ان کی غیر جانبداری بھی شک و شبہ سے بالا ہو اور وہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ سابق retired judges ہیں، retired educationists ہیں، پرانے زمانے کے diplomats ہیں اور افغانستان کے بڑے معزز لوگ ہیں جن پر تمام لوگوں کو اعتماد ہے، اس طرح کی ایک لسٹ بنائی جا سکتی ہے۔ ان لوگوں کی ایک neutral حکومت پر ایک ایسا سربراہ مقرر کیا جائے جس طرح کہ interim سربراہ مثلاً ہمارے ملک میں غلام مصطفیٰ ایک interim وزیراعظم رہے ہیں یا بنگلہ دیش کے اس پورے crisis کے دوران جنرل ارشاد کے بعد وہاں کے چیف جسٹس کو سربراہ بنا دیا گیا۔ ایسی شخصیت جس کے بارے میں سب لوگ یہ جانتے ہوں کہ اس میں permanance کی اپنی صلاحیت اور factor موجود ہی نہیں کہ یہ خود مسلط ہو سکے۔ اس لئے اس طرح کا غیر جانبدار آدمی وہاں پر interim government کا سربراہ بنا دیا جائے اور پھر افغانستان میں آزادانہ انتخاب کے ذریعے سے حکومت کو چنا جائے اور اس کو منتخب کیا جائے۔ یہ جناب چیئرمین! ایک ایسا حل ہے جو معقول ہے۔ جس کی معقولیت پر کوئی بھی شک نہیں کر سکتا اور جس پر کسی کو اختلاف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

میں اپنی حکومت سے یہ کہوں گا کہ اس طرح ۱۸۰ درجے کا ٹرن لینے کی بجائے ------

جناب چیئرمین، قاضی صاحب! as a point of interest آپ نے یہ فرمایا کہ کوئی ایسی شخصیت جس پر کوئی اعتراض نہ ہو، تو یہ گروپس اگر کسی ایسی شخصیت کا نام دے دیں تو آسانی نہیں ہو جائے گی؟

قاضی حسین احمد: میں یہی کہتا ہوں جناب۔

(مداخلت)

جناب چیئرمین: یہ بہت اہم موضوع پر بات کر رہے ہیں۔

قاضی حسین احمد: جناب چیئرمین! یہ بالکل ممکن ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ جتنے گروپس ہیں اس وقت پاکستان میں ان سب کے سربراہ موجود ہیں-----

جناب چیئرمین: ابھی تک کوئی نام نہیں آرہا۔

قاضی حسین احمد: اس طریقے سے تو نہیں آئے گا۔ اس پر اگر یہ لوگ بات کریں گے اور یو این او والے اپنے فارمولے کو چھوڑ کر، جو کہ غیر عملی ہے، اگر کسی دوسرے راستے پر آئیں گے اور لوگوں سے اس راستے پر بات کریں گے تو اس پر بات ہو سکتی ہے لیکن یہ تو ایسے کسی راستے پر آنے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں جس کے ذریعے سے واقعی افغانستان کا مسئلہ حل ہو سکتا ہو۔ مجھے یقین ہے جناب چیئرمین! میں ۱۹۷۰ء سے افغانستان کی اس پوری تحریک کے ساتھ وابستہ ہوں، وہاں گیا ہوں، وہ لوگ میرے پاس آتے ہیں اور میں اس پورے مسئلے کو جانتا ہوں۔ اس وقت بھی جو افغانستان کی صورتحال ہے اس کو میں نے گہری نظر سے دیکھا ہے چنانچہ ممکن نہیں ہے کہ آپ افغانستان میں مجاہدین کی مرضی کے بغیر کچھ کر سکیں۔

Syed Abdullah Shah: Sir, with great respect I would say that the honurable member is not relevant. He is not discussing the President's Address and moreover the jurisdiction of the Senate of Pakistan does not extend to Afghanistan that we should go on devising ways and means as to how we establish a government in Afghanistan. So, I think you please tell him to be

relevant.

Mr. Chairman: No, he is discussing Pakistan's foreign policy which is very relevant.

Syed Abdullah Shah: It is not foreign policy of Pakistan, he is telling then how to choose the government. They should have the elections, they should not have elections and so on. That is not our business, that is Afghanistan's own business. I don't think that the Senate of Pakistan can intervene in Afghanistan's Affairs.

Mr. Chairman: No, no we are not intervening. He is saying what should be Pakistan's stand on these matters which is part of Pakistan's foreign policy.

جناب منظور احمد گچکی: پوائنٹ آف آرڈر جناب والا! قاضی صاحب صدر مملکت کے خطاب پر تقریر فرما رہے ہیں اور ان کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ جو کچھ قاضی صاحب کہہ رہے ہیں وہ ان کا اپنا مسئلہ ہے۔ ہم ضرور اختلاف رکھتے ہیں لیکن ان کا یہ حق ہے لیکن میرے سامنے ایک عجیب سی چیز آئی کہ قاضی صاحب ایک طرف یہ کہتے ہیں کہ میں خود افغانستان وزٹ کر کے آیا ہوں بہت سی مرتبہ اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ پاکستان کا ایک شہری بغیر legal document کے کسی دوسرے ملک کو کراس کر سکتا ہے اور پھر واپس آسکتا ہے۔

جناب چیئرمین: سوال تو ٹھیک ہے لیکن وہ پوائنٹ آف آرڈر نہیں بنتا۔

جناب منظور احمد گچکی: میں ان کی تقریر کے حوالے سے کہہ رہا ہوں۔

جناب چیئرمین: جب آپ تقریر کریں گے تو آپ ان سے یہ سوال پوچھ لیں۔

جناب شہزاد گل: جناب والا! جو حل قاضی صاحب پیش کر رہے ہیں اس کے جواب میں دوسرا حل بھی ہے۔ اس وجہ سے اس مسئلے کو نہ چھیڑا جائے۔

جناب چیئرمین: جب آپ کی باری آئے گی تو آپ اپنا حل ضرور پیش کریں۔ قاضی حسین

احمد صاحب۔

قاضی حسین احمد: جناب چیئرمین! یہ ممکن نہیں ہے کہ مجاہدین کی مرضی کے بغیر وہاں کوئی حل مسلط کیا جائے، ممکن ہی نہیں ہے۔ سارا گراؤنڈ وہاں افغانستان میں مجاہدین کے پاس ہے۔ یہاں پاکستان سے آدمی آ جا سکتا ہے۔

جناب محمد ابراہیم خان: پوائنٹ آف آرڈر، جناب یہ دیکھا جانا چاہیئے کہ آبادی کی اکثریت افغانستان میں ہے یا اکثریت پاکستان میں ہے اور جو بھی حکومت بنے گی افغانستان کی اکثریت سے منتخب ہو کر بنے گی یا یہاں کے چند لاکھ مجاہدین کی وجہ سے بنے گی۔

جناب چیئرمین: بات آپ نے بڑی اچھی کی ہے لیکن یہ پوائنٹ آف آرڈر نہیں بنتا۔

Dr. Bisharat Ellahi: Mr. Chairman, we should adhere to our past traditions. All the time you have been very strict and your have been adhering to it that when the Speaker is on the floor on this particular occasion responding to the Address of the President, at that time he should not be disturbed and when the honourable speakers have their turn they can say what they want.

جناب چیئرمین: جب آپ کی باری آئے گی تو آپ اپنا نقطہ نظر بیان کریں۔

Mr. Hassan A. Shaikh: Point of order, Sir, Dr. Bisharat Ellahi usually sits in your Chair when you are not there and he says when the speaker is on the floor, he is on his leg not on the floor.

Mr. Chairman: Quite right. Yes, Chaudhry Sahib.

چوہدری امیر حسین: جناب والا! میں نے ایک گزارش کرنی تھی، میں مداخلت نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ جناب والا! میں نے ایک جگہ ۶ بجے جانا ہے اس لیے مجھے اجازت عطا فرمائی جائے۔ میرے دوسرے ساتھی یہاں بیٹھے گے۔ نوٹس لے رہے ہوں گے۔

جناب چیئرمین: ٹھیک ہے اجازت ہے۔ قاضی حسین احمد صاحب۔

قاضی حسین احمد: تو جناب چیئرمین میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مجاہدین کی مرضی کے بغیر وہاں کوئی حل

مسلط کرنا ممکن نہیں ہے اور میرے colleague نے مجھے متوجہ کیا ہے کہ زیادہ لوگ افغانستان میں رہتے ہیں۔ بے شک زیادہ تر لوگ کابل شہر میں یا قندھار شہر میں نہیں رہتے۔ زیادہ لوگ countryside میں رہتے ہیں ۔ کنٹری سائیڈ میں آدمی آموں کے دریا تک جاتا ہے اکس تک اور یہ سارے چھاؤنیوں کو اور شہروں کو avoid کرتے ہوئے سارے مجاہدین گاڑیوں میں جاتے ہیں۔ پورے افغانستان میں پھرتے رہتے ہیں اور ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ مجھ سے پوچھا گیا ہے کہ یہاں سے میں بغیر ویزے کے اور بغیر ان کی اجازت کے گیا ہوں۔ میں کس سے اجازت لوں؟ وہاں کی حکومت کو ہماری حکومت تسلیم نہیں کرتی اور وہاں کے جو عبوری وزیر اعظم پاکستان میں بیٹھے ہوئے ہیں اور جو مجاہدین ہیں انہوں نے یہاں پر اپنی حکومت بنائی ہے۔ آپ کی سرزمین پر وہ اجازت دیتے ہیں اور ہم جاتے ہیں۔ وہاں ان کی اجازت سے جاتے ہیں۔ افغان ہوتے ہیں ہمارے دائیں بائیں اور ان کے ساتھ جاتے ہیں۔ قندھار جاتے ہیں، کابل جاتے ہیں، مزارشریف جاتے ہیں، کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ آپ نہیں جاسکتے۔ ویزے پر آپ نہیں جاسکتے۔ ہم جاسکتے ہیں۔

(مداخلت)

جناب چیئرمین : اس جھگڑے میں آپ کیوں پڑتے ہیں کہ ویزا ہے کہ نہیں جب آپ کی باری آئے گی------

(مداخلت)

جناب چیئرمین : دیکھیں یہ مسئلہ نہیں ہے۔ ان کو تقریر کرنے دیں۔ افغانستان پر بات کر رہے ہیں جب آپ کی باری آئے گی تو آپ اپنا نقطہ نظر بیان کر دیں۔

قاضی حسین احمد : جناب چیئرمین! میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ یہ حضرات جس حکومت سے ویزا لے کر وہاں جانا چاہتے ہیں اس کے ویزے پر کوئی افغانستان میں نہیں جاسکتا۔ آپ طورخم چلے جائیے۔ چمن کے راستے سے ذرا پھاٹک سے اس طرف چلے جائیے میں دیکھتا ہوں کہ یہ کس طرح سے ممکن ہے۔ ہاں صرف افغان مجاہدین کے ساتھ وہاں جا سکتے ہیں۔ آپ اس کو جو کچھ بھی کہیں تو جناب چیئرمین میں یہ عرض کر رہا تھا کہ سارا گراؤنڈ وہاں مجاہدین کے پاس ہے۔ یہ trap اور بین الاقوامی سازش ہے جناب چیئرمین کہ حکومت پاکستان کو اپنے دوستوں سے محروم کیا جائے۔ کشمیر میں جو لوگ اس وقت لڑ رہے ہیں، بھارت کے خلاف اٹھے ہوئے ہیں، احتجاج کر رہے ہیں، مظاہرے کر رہے ہیں، ان کی بہت بڑی انتفادہ ہے۔ انہوں نے سارے سری نگر میں پاکستانی جھنڈے لگا رکھے ہیں۔ دس ہزار فوجیوں کی موجودگی

میں اور پوری حفاظتی دیوار کی موجودگی میں ایک جھنڈا بھی نہیں لگا سکتے اور گھر گھر پاکستانی جھنڈا لگا ہوا ہے۔ ان کے ساتھ پاکستانی فورسز کا تصادم کرانے کی سازش ہے۔ اس طریقے سے یہ ایک سازش ہے کہ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں جنگ لائی جائے، آزاد کشمیر میں لائی جائے۔ اس طرح کی بد امنی کی صورت حال جو سندھ میں ہے وہی صوبہ سرحد اور بلوچستان اور آزاد کشمیر تک وہ اس کو extend کرنا چاہتے ہیں، وسعت دینا چاہتے ہیں۔

جناب چیئرمین! اس میں خود امریکہ ملوث ہے۔ پاکستان عالم اسلام کا قلعہ ہے۔ اس وقت ایک بیداری کی لہر ہے عالم اسلام میں اور مسلمانوں میں۔ اس بیداری کی لہر نے تمام ممالک کا احاطہ کر لیا ہے۔ اس کے نتیجے میں یہ الجزائر میں الیکشن جیت گئے ہیں۔ جہاں fundamentalist آٹے میں نمک کے برابر تھے اب انہوں نے وہاں ستر اسی فیصد ووٹ حاصل کر لیئے ہیں۔ اس وجہ مغرب میں ایک تزلزل ہے اور وہ یہ نہیں چاہتے کہ عالم اسلام میں یہ جو بیداری کے امکانات ہیں اور ان کے جو تہذیبی شاگر اور ان کے اشارے پر کام کرنے والے لوگ اس وقت یہاں پسپا ہو رہے ہیں وہ دوبارہ ان کو سہارا دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان علاقوں میں امن قائم ہو۔ یہ افغانستان کے امن کو خراب کرنے کے لیے پاکستان کے امن کو تباہ کرنے لیے یہ سازش ہے کہ ہمیں اپنے دوستوں سے محروم کیا جائے۔ ہمارے دوست مجاہدین ہیں۔ تیرہ سال تک ہم نے ان کے ساتھ مل کر کام کیا ہے۔ وہ پاکستان کی حکومت کے ممنون ہیں، زیر احسن ہیں۔ ان کے مقابلے کی وہاں کوئی قوت نہیں ہے۔ ان کی ناراض کرنے کی سازش کی جا رہی ہے۔ اگر حکومت پاکستان یک دم اپنی پالیسی میں 180 ڈگری کا فرق لائے گی تو اس کے نتیجے میں جناب چیئرمین فارن پالیسی کا سارا اعتماد اٹھ جائے گا۔ ہمارا اعتماد نہیں رہے گا اور امریکہ کے دباؤ کے نیچے ہم یہ کرنے لگیں تو ہمیں دیکھنا چاہئیے کہ امریکہ کس لیے دباؤ ڈال رہا ہے۔ ہم ایک دوراہے پر کھڑے ہیں ایک راستہ ہماری تباہی کی طرف جا رہا ہے اور ہم گہرے گڑھے میں گر سکتے ہیں۔ دوسری طرف آبادی اور اتحاد کا راستہ ہے۔ امریکہ ہم پر دباؤ ڈال رہا ہے اور مجبور کر رہا ہے کہ تم اس تباہی کے راستے پر چلے جاؤ تاکہ تم اس گڑھے میں گرو۔ اس تباہی کے راستے پر انہوں نے کھلونے لگا رکھے ہیں۔ ان کھلونوں کو دیکھ کر اور امداد کی امیدیں باندھ کر ہم اگر تباہی کے راستے پر جائیں گے تو اپنی خودکشی کا راستہ اختیار کرنے والی بات ہو گی۔

جناب چیئرمین! ہمارے لئے یہ لازمی ہے کہ پوری کھلی آنکھوں سے اپنے مستقبل کو دیکھیں اور دیکھیں کہ ہمارے دوست کون لوگ ہیں۔ ہم نے جو اتنی محنت کی ہے، اتنی جدوجہد کی ہے اور اس کے

نتیجے میں سوویت یونین آف سوشلسٹ ری پبلک کے نام کا کوئی ملک ابھی باقی نہیں رہا جو ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ لڑ رہے ہیں اتنی بڑی achievement کے بعد ان کو آخری انجام تک لے جانے کی ضرورت ہے۔ اس کا پھل اور اس کا ثمر حاصل کرنے کی ضرورت ہے چہ جائیکہ جو امریکی مقاصد ہیں ان کو حاصل کرنے کے لیے ہم استعمال ہو جائیں اور جو ہمارے اپنے مقاصد ہیں، عالم اسلام کے مقاصد ہیں، ان کو ہم چھوڑ دیں۔ جناب چیئرمین! افغانستان کی سرزمین پر اگر کوئی فساد ہو گا تو سارے ایشیاء میں فساد پھیلے گا اگر یہاں کشاد ہو گا تو سارے ایشیاء کشاد ہوگا اور تمام ایشاء میں خوشحالی ہوگی۔ اس میں خوشحالی لانے کا واحد طریقہ یہی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ فلاں کی حکومت ہو۔ لوگوں کی مرضی کی منتخب حکومت کے لیے ساز گار حالات ضروری ہیں۔ جناب چیئرمین! نجیب اللہ کی حکومت پوری تباہی کی ذمہ دار ہے ۔ ۵۰ لاکھ لوگ افغانستان سے بے گھر ہیں ۔ ۵۰ لاکھ مزید لوگ افغانستان کے اندر بے گھر ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے پر مجبور ہیں اور پورا افغانستان ملبے کے ایک ڈھیر میں تبدیل ہو گیا ہے۔ نجیب اللہ کی حکومت کیا ہے۔ ان کی حکومت یہی ہے کہ چھاؤنیوں کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ توپیں داغ رہے ہیں سکڈ پھینک رہے ہیں ہوائی جہاز اڑ رہا ہے اور ہوائی جہاز بمباری کر رہا ہے۔ وہاں حکومت کا کوئی نقشہ نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ امن قائم کرنے کے لیے وہاں جو موثر لوگ ہیں ان سے بات کی جائے۔ اس کے لیے راستہ یہی ہے کہ وہاں ایک غیر جانبدار حکومت کے لیے راستہ ہموار کیا جائے۔

جناب والا! میں داخلی صورت حال پر آخر میں آؤں گا۔ ملک کی اقتصادی صورت حال کو غیر دستوری طریقے چلایا جا رہا ہے۔ ملک کے دستور میں واضح طور پر لکھا ہوا ہے کہ ملک کے عوام کی ایسی تربیت کرنا کہ وہ ایک اسلامی ملک ایک نظریاتی ملک کے ذمہ دار شہری بن سکیں اور بحیثیت مسلمان ان کی تربیت کرنا حکومت کا فرض ہے۔ ذرائع ابلاغ یہ فرض ادا نہیں کر رہے ہیں۔ ذرائع ابلاغ ایک ایسی شخصیت کو اٹھانے میں لگے ہوئے ہیں اور اس کی تربیت کرنے میں لگے ہوئے ہیں جو مختلف تضادات کا شکار ہے۔ اس کو صبح وقت تلاوت قرآن سنایا جاتا ہے اس کو درس سنایا جاتا ہے پھر اس کے بعد اس کو ناچ رنگ فحش مناظر اشتہارات کے ذریعے سے مختلف چیزیں دکھا کر اس کے ذہن کو ماؤف اور پریشان کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ وہ اس طرف چلا جائے یا اس طرف

کعبہ میرے آگے ہے کلیسا میرے پیچھے

ذرائع ابلاغ اس کو تضادات کا شکار کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں تا کہ یہ پرسنلٹی ایک یکسو اور

متوازن پرسنلٹی نہ بن سکے۔ ایک روشنی میں اور اس کے سائے میں اس کی تربیت ہو بلکہ اس کی دو رنگی شخصیت بن جائے۔ جناب چیئرمین! یہی صورت حال ہمارے اقتصادی نظام کی ہے۔ حکومت یہ کہتے نہیں تھکتی کہ ہم اسلامی تعلیمات کو مانتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی تشریح کرنے کے لیے ملک میں دو دستوری ادارے ہیں ایک فیڈرل شریعت کورٹ ہے اور ایک اسلامی نظریاتی کونسل ہے دونوں دستوری ادارے ہیں لیکن ملک کا اقتصادی امور کا جو وزیرمملکت ہے وہ کہتا ہے میں نہ اس فیڈرل شریعت کورٹ کو مانتا ہوں نہ اسلامی نظریاتی کونسل کو۔ میری مرضی کا جو فتویٰ دے گا میں اس کی تلاش میں ہوں اور اس کے بارے میں کھلم کھلا اور اعلانیہ کہتا ہے کہ ہم نے ٹیمیں بھیجی ہوئی ہیں کہ وہ لوگوں کے فتویٰ حاصل کریں اور دیکھیں کہ کون ہماری مرضی کا فتویٰ دینے کے لیے تیار ہے۔ جناب چیئرمین! فتویٰ حاصل کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ جو ملک کے دستوری ادارے ہیں' دین کے بارے میں انہی سے راہنمائی حاصل کرے۔ اسلامی نظریاتی کونسل اسی لیے بنی ہے کہ پارلیمنٹ کو دین کے بارے میں راہنمائی کی ضرورت ہو تو ان سے راہنمائی حاصل کریں۔ فیڈرل شریعت کورٹ اسی لیے بنی ہے کہ اگر کسی بارے میں شک ہو یا کسی کو اس پر اعتراض ہو اور اس کے بارے میں شریعت اور دین کا منشاءمعلوم کرنا چاہتا ہو تو وہ فیڈرل شریعت کورٹ میں جائے۔ فیڈرل شریعت کورٹ سے ایک فیصلہ آ چکا ہے۔

(اس مرحلے پر مغرب کی اذان سنائی دی)

Mr. Chairman: The House is adjourned to meet after 20 minutes.

(بعد از وقفہ نماز ایوان کی کارروائی دوبارہ شروع ہوئی)

میڈم ڈپٹی چیئرمین، جناب قاضی حسین احمد صاحب---

قاضی حسین احمد، شکریہ جناب چیئرمین صاحبہ! میں ابھی اس دلیل کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ عرض کروں گا کہ لاہور ہائیکورٹ کے ایک حالیہ فیصلے کے مطابق جب سے قرارداد مقاصد پاکستان کے دستور کا حصہ بنی ہے اس کے بعد سے تمام عدالتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی قانون کے

غیر اسلامی ہونے کی بنیاد پر اس کو رد کر کے قرآن و سنت کے مطابق فیصلہ دیں۔ اس کے بعد ہمارے حکومتی وزراء اور اداروں کا ربوٰا جیسے متفق علیہ مسئلے میں بھاگ دوڑ کرنا اور اس کے لئے بہانے تلاش کرنا اور اس کے لئے جعلی فتوے وصول کرنا اور علماء کے بارے میں توہین آمیز الفاظ استعمال کرنا' یہ خود دستور پاکستان کی خلاف ورزی ہے اور پاکستان کے قانون کی خلاف ورزی ہے اور اتنے اعلیٰ مناصب پر بیٹھ کر جب لوگ اسلام کے مسلمہ اصولوں کی مخالفت کرتے ہیں اور دستور کی بھی دھجیاں اڑاتے ہیں تو اس پر افسوس کیا جا سکتا ہے۔ محترمہ چیئرمین صاحبہ! میں آپ کی وساطت سے حکومت کی وجہ دوبارہ اس طرف مبذول کراؤں گا کہ یہ افسوسناک بات ہے کہ ابھی تک پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کا کوئی چیئرمین منتخب نہیں کیا گیا اور پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کا اجلاس ہی نہیں ہوا۔ اس سے واضح طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت لوگوں کے سامنے آنے سے شرماتی اور اپنا حساب دینے کے بارے میں شرماتی ہے۔ اسی لئے پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کا اجلاس نہیں ہوا۔ یہ قومی اسمبلی کا ادارہ ہے' ظاہر ہے کہ اس کا جب اجلاس ہو گا تو اس کا چیئرمین منتخب کیا جائے گا اور اس کے بعد پھر وہ اپنا کام کر سکے گی۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین: ایک منٹ قاضی صاحب' یہاں حکومت کا کوئی وزیر ابھی تک موجود نہیں ہے۔ میں درخواست کرتی ہوں کہ اگر کوئی وزیر صاحب باہر تشریف رکھتے ہیں تو ان کو بلوا لیا جائے۔

جناب محمد علی خان: محترمہ چیئرمین صاحبہ! یہ بات اس ایوان میں کافی دنوں سے اٹھ رہی ہے کہ عموماً وزراء یہاں ہماری کارکردگی میں اور کارروائی میں دلچسپی کا اظہار نہیں کر رہے اور اسی طرح صدر مملکت کی تقریر میں بھی جس کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اور آپ نے بھی متعدد بار ان کو یہ اپیل کی کہ وہ باقاعدگی سے آیا کریں اور کارروائی میں حصہ لیا کریں۔ بدقسمتی آج بھی ہماری جو بات ہے وہ ان کے کانوں پر پڑی نہیں۔ ہماری شنوائی ہوئی نہیں اور اب ایک وزیر صاحب آ گئے ہیں۔ جہاں تک وزیر برائے پارلیمانی امور کا تعلق ہے تو انہوں نے ازخود ایوان سے اجازت مانگی کیونکہ ان کے ہاں ایک فنکشن ہے تو وہ اس کے لئے گئے ہیں۔ اب الحمد اللہ ایک وزیر صاحب تشریف لے آئے ہیں تو میرے خیال میں ہم کارروائی کو جاری رکھیں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین: مجھے یہ بات فخر سے کہنا پڑ رہی ہے کہ یہاں ممبروں کی طرف سے کبھی شکایت نہیں ہوئی لیکن سینٹ میں ہمیشہ وزیروں کی طرف سے یہ شکایت رہی ہے' قاضی صاحب۔

قاضی حسین احمد: جناب چیئرمین صاحبہ! میں یہی عرض کر رہا تھا کہ حکومت اگر اپنے بارے

میں شکوک و شبہات دور کرنے میں کوئی دلچسپی ہے تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے سامنے کم از کم اپنے آپ کو، اپنے تمام اداروں کو اور اپنے حسابات کو پیش کرے۔ پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کا اجلاس نہ بلانے سے اور اس کا چیئرمین منتخب نہ ہونے سے ان شبہات کو تقویت ملتی ہے کہ حکومت کے پاس چھپانے کو کوئی چیز ہے جس کو وہ چھپا رہے ہیں، جس کو وہ سامنے لانے سے شرماتی ہے۔ اس لئے جناب چیئرمین صاحب! میں آپ کے توسط سے حکومت سے مطالبہ کروں گا مالی امور کے بارے میں شکوک و شبہات دور کرنے کے لئے اور جو سکینڈلز اخبارات کے ذریعے سے آئے دن سامنے لائے جا رہے ہیں ان کے بارے میں بھی تحقیق کریں۔ پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کا فنکشن ہے مالی امور میں تمام چیزوں کی نگرانی کرنا ہے تو اس کا اگر کوئی اجلاس پر بلایا جائے اور اس کو کام کرنے کا موقع دیا جائے تو اس سے یہ شبہات دور ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح جناب چیئرمین صاحب! ایوان میں اگر وزیراعظم اور وزراء صاحبان مستقل طور پر دونوں قومی اسمبلی اور سینٹ کے ایوانوں میں بیٹھیں تو یہ دونوں ایوان اچھی کارکردگی دکھا سکتے ہیں۔ حکومتی معاملات پر تنقید کی جاتی ہے یا ان کی حمایت کی جاتی ہے اور یہیں سے معاملات کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ تمام جمہوری ممالک کا طریقہ یہی ہے۔ جمہوری حکومتوں میں پارلیمنٹ سے حکومت کی جاتی ہے۔ پارلیمنٹ کی کمیٹیوں کو زیادہ اختیارات ہوتے ہیں۔ پارلیمنٹ کے کمیٹیوں کے زیادہ اجلاس ہوتے ہیں۔ وہاں پر حکومت کے تمام سرکردہ لوگ اور آفیسرز اور بیوروکریسی کے لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ اسی طریقے سے دونوں ایوانوں میں ان کے اجلاسوں کے موقع پر وزراء بھی باقاعدگی سے حاضری دیتے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کا عملہ بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر امور و معاملات پر پارلیمنٹ کے اندر ہی فیصلے ہو جاتے ہیں اور پارلیمنٹ جب اجلاس کر رہی ہوتی ہے تو حکومتی معاملات ٹھیک ہو جاتے ہیں ان کی خرابی اور خامیوں کی نشاندہی بھی ہو جاتی ہے اور ان کے اوپر عملدرآمد بھی ہو جاتا ہے۔ رپورٹ بھی طلب کر لی جاتی ہے ایوان میں۔ لیکن اگر ان ایوانوں میں وزراء دلچسپی نہ لیں، وزیراعظم دلچسپی نہ لیں تو اس کے بعد پھر ان ایوانوں کی وقعت کم ہو جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں جمہوری طرز حکومت ناکام ہو جاتا ہے اسی سبب سے جناب چیئرمین صاحب! ہمارے ملک میں یہ شکایت ہے کہ طاقت۔۔۔

حافظ حسین احمد، پوائنٹ آف آرڈر۔ محترمہ میں آپ کی توجہ رولز کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ رول 10 میں ہے کہ چیئرمین کے انتخاب کے بعد فوراً سینٹ ڈپٹی چیئرمین منتخب کرنے کی کارروائی کرے گا تو میرے محترم قاضی صاحب آپ کو ڈپٹی چیئرمین کہہ رہے ہیں، رولز کے مطابق میں سمجھتا ہوں کہ

آپ آئین کی دفعہ کو اگر دیکھیں صفحہ نمبر 60'

"سینٹ کی باضابطہ طور پر تشکیل ہو جانے کے بعد یہ اپنے پہلے اجلاس میں بہ استثناء دیگر کارروائی اپنے ارکان میں سے ایک چیئرمین اور ایک ڈپٹی چیئرمین کا انتخاب کرے گی اور جتنی بار بھی چیئرمین یا ڈپٹی چیئرمین کا عہدہ خالی ہو جائے سینٹ ایک اور رکن کو چیئرمین یا جیسی بھی صورت ہو' ڈپٹی چیئرمین کے طور پر منتخب کرے گی۔"

محترمہ یہ آئین کی دفعہ 60 بالکل واضح ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی تشریف آوری اس وقت سراسر غیر آئینی ہے کیونکہ آپ چیئرمین نہیں ہیں' چیئرپرسن ہیں اور جب تک اس آئین میں تبدیلی نہ ہو یا ترمیم نہ ہو اور قواعد اور ضوابط میں تبدیلی نہیں ہو گی آپ آئینی طور پر اس اجلاس کی صدارت نہیں کر سکتیں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین، میں نے یہ کہا ہے کہ مجھے چیئرمین کہا کریں۔

Mr. Hassan A. Shaikh: You are Chairman. There is no such thing as Chairwoman.

Madam Deputy Chairman: That is not a point of order Hafiz Hussain Ahmed, please have a seat.

حافظ حسین احمد : محترمہ یہ ایک آئینی مسئلہ ہے۔ آپ مجھے مطمئن کریں۔ آپ اس وقت غیر آئینی طور پر تشریف فرما ہیں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین : جناب مجھے ایوان نے بطور ڈپٹی چیئرمین منتخب کیا ہے اور حافظ صاحب آپ کے مقابلے میں میرا الیکشن ہوا تھا۔ آپ تشریف رکھیں۔ آپ کو بڑی دیر سے یاد آیا ہے میں الیکٹ ہوئی ہوں اور آپ کے مقابلے میں میرا انتخاب ہوا ہے۔ آپ تشریف رکھیں۔

(مداخلت)

پروفیسر خورشید احمد : میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن محترم حافظ حسین احمد صاحب نے ایسی بات کہی ہے۔ دستور میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جہاں جہاں man لکھا گیا اس کے اندر woman بھی شامل ہے۔ وہ بھی اسی دستور میں لکھا ہوا ہے اس لئے ان کا اعتراض بالکل غیر معقول ہے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین: شکریہ، قاضی حسین احمد۔

قاضی حسین احمد: جناب چیئرمین صاحبہ! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگر وزیراعظم اور وزراء دلچسپی لیں تو اس میں زیادہ وقار آ سکتا ہے، اس میں زیادہ وقعت آ سکتی ہے، اس میں زیادہ وزن ہو گا۔ یہ اس اعتراض کا جواب ہو گا اور اس خامی کا بھی جواب ہو گا جو لوگ کہتے ہیں کہ ملک کے اندر اقتدار کا سرچشمہ معلوم نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں عام اخبارات اس پر تبصرے کر رہے ہیں اور اس کی وجہ سے لوگوں میں کافی پریشانی ہے کہ ملک میں بااختیار کون ہے؟ یہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ صدر چیف آف سٹاف اور وزیراعظم یہ تین ستون ہیں۔ ان میں دو اکٹھے ہو جائیں حالانکہ چیف آف سٹاف کہیں بھی حکومت کی کارروائی کرنے میں نہیں آتا اور اس کو کوئی حق بھی حاصل نہیں ہے اور اسی طریقے سے دستور میں واضح طور پر وضاحت کی گئی ہے کہ وزیراعظم چیف ایگزیکٹو ہے تو وزیراعظم کی حیثیت اور جمہوری اداروں میں جتنی کمزوری آ گئی ہے اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ وزیراعظم صاحب خود پارلیمنٹ سے غیرحاضر رہتے ہیں جو ان کی قوت کا اصل سرچشمہ ہے۔ وہاں سے اگر وہ غیرحاضر ہوں اور ان کے وزراء غیرحاضر ہوں اور پارلیمنٹ کے راستے سے حکومت کرنے کی بجائے وہ مختلف دوسرے طریقے اختیار کریں تو خود وزیراعظم کی حیثیت کو ضعف اور کمزوری ملتی ہے۔ اس تمام صورتحال کو درست کرنے کے لئے کہ پارلیمنٹ کی وقعت اور وقار کو بڑھایا جائے دونوں ایوانوں کی کارکردگی میں براہ راست وزیراعظم دلچسپی لیں۔ وزراء وہاں پر آ کر مستقل بیٹھیں۔ جو چیز بھی کسی ممبر آف پارلیمنٹ کی زبان پر آ جاتی ہے اور جس کی وہ یقین دہانی کر لیتے ہیں یا جس طرح وضاحت کر لیتے ہیں اس کے اوپر فوری طور پر عملدرآمد ہو۔ اگر پارلیمنٹ میں کی ہوئی کسی یقین دہانی پر عمل نہ ہو تو فوری طور پر اس ذمہ دار افسر کا محاسبہ کیا جائے۔ جناب چیئرمین صاحبہ! صرف اسی طریقے سے یہ ممکن ہے کہ معاملات کو درست کیا جائے اور وزیراعظم کی چیف ایگزیکٹو کی جو حیثیت ہے اس حیثیت کے مطابق یہاں پر معلوم ہو سکے تمام لوگوں کو کہ اصل مقتدر اور اصل بااختیار ملک کے اندر وزیراعظم ہے۔ یہاں کوئی تین ستون نہیں ہیں۔ صدر اور چیف آف سٹاف کو ملک کے عام معمول کے معاملات میں مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے۔

جناب چیئرمین صاحبہ! اسی حوالہ سے سندھ کی جو صورتحال ہے خصوصی طور پر میں اس کا ذکر کروں گا۔ وہاں کے وزیراعلیٰ کی بیماری کی وجہ سے بھی غیریقینی صورتحال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں حکومت ابھی تک کوئی فیصلہ کن اقدام نہیں کر سکی ہے۔ لوگوں میں پریشانی ہے، تذبذب ہے۔

فیصلے کرنے کی کمی محسوس کی جا رہی ہے۔ جب سب لوگوں کو معلوم ہے کہ چیف منسٹر صاحب بیمار ہیں اور وہ اس قابل نہیں ہیں کہ وہ سندھ کے معاملات کو چلا سکیں تو حکومت کو ایک جراتمندانہ اقدام کرنا چاہیئے اور سندھ کی صورتحال کا سیاسی حل تلاش کرنا چاہیئے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ سندھ کی اسمبلی کو پوری طرح اعتماد میں لیا جائے اور opposition کو بھی اعتماد میں لیا جائے کیونکہ یہ ہماری ملکی سالمیت کا مسئلہ ہے۔ ہمارے ملک میں سندھ کے بارے میں کئی پریشانیاں پیدا کی جا رہی ہیں اور خود امریکی حکومت جو پاکستان کو destablize کرنے کے پیچھے لگی ہوئی ہے، بار بار وہ اس بات کو اٹھا رہے ہیں کہ سندھ میں بنیادی حقوق کا احترام نہیں ہے، Basic human rights نہیں دیئے جا رہے ہیں، توہین کی جا رہی ہے اور ان کے ذرائع ابلاغ اور حکومتی ادارے سندھ میں صورتحال کو بگاڑ رہے ہیں۔ اسی طرح پورے ملک میں صورتحال کو بگاڑنے کے درپے ہیں۔ جس طرح میں نے ذکر کیا کہ بلوچستان میں، صوبہ سرحد میں، خود آزاد کشمیر میں، مغربی ذرائع ابلاغ کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ وہاں کوئی افغان مہاجرین کے ساتھ مسئلہ پیدا ہو جائے۔ جموں کشمیر کے لبریشن فرنٹ کے ساتھ کوئی مسئلہ پیدا کر دیا جائے، حکومت اور مقامی آبادی اور مختلف سیکشن کے درمیان تضادات اور تصادم کو بڑھایا جائے۔ حکومت اور اپوزیشن کے درمیان تصادم کو بڑھایا جائے۔ حکومت کا فرض ہے کہ اپوزیشن کے ساتھ ایک مصالحانہ رویہ اختیار کرے اور اس کے نتیجے میں جتنے بھی یہاں پر تضادات ہیں ان تضادات کو مزید تصادم کی طرف بڑھانے کی بجائے ان کو کسی مصالحت کی طرف لانے کوشش کرے۔ افغان مجاہدین کے ساتھ بھی کوئی غیر ضروری تصادم کا خطرہ نہ مول لیا جائے کیونکہ اس کے نتیجے میں ملک کو جو خطرات درپیش ہو سکتے ہیں ان کا واضح طور پر حکومت احساس کرے اور جو چیز ان کے بس میں نہیں ہے عملاً ممکن نہیں ہے اس حل پر اصرار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اقوام متحدہ اور امریکہ تو کبھی نہیں چاہے گا کہ ہمارے ملک میں امن ہو اور ہمارے ملک کے مسائل حل ہوں اور ہمارے مسائل میں کمی ہو، ہمارے مسائل میں اضافہ کرنا اس کو بڑھانا اور ہمیں مزید پریشانیوں سے دوچار کرنا یہ ان کی مستقل پالیسی ہے۔ حکومت پاکستان کو اس ٹریپ میں آنے سے بچنا چاہیئے۔ ملک میں جتنی بھی قوتیں ہیں جتنی بھی اپوزیشن ہے یا سیاسی قوتیں ہیں ان سیاسی دھڑوں کو اعتماد میں لے کر سندھ کا مسئلہ حل کرنے کی ضرورت ہے۔ جناب چیئرمین صاحب! میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے interrupt بھی نہیں کیا اور اپنے دوسرے ساتھیوں کے لئے فلور چھوڑنے کی اجازت چاہوں گا۔ بہت شکریہ۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین: شکریہ قاضی صاحب۔

ڈاکٹر محمد ریحان، آپ کی وساطت سے جناب قاضی صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ خواتین کی نشستوں اور خواتین کے حقوق کے بارے میں بھی مختصراً اپنے خیالات سے ہمیں مستفیض فرمائیں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین، جناب ڈاکٹر بشارت الہیٰ۔

ڈاکٹر بشارت الہی، میں یہی کہنے لگا تھا کہ we had come to an agreement that میں آج تقریر نہیں کروں گا۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین، اچھا۔ جناب سید عباس شاہ صاحب۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل، پوائنٹ آف آرڈر۔ میں نے ڈاکٹر بشارت صاحب کی تقریر میں مداخلت کی جس کی میں معذرت چاہتا ہوں۔ میں request کروں گا کہ میرا نمبر کافی دور ہے' اس کو ذرا آگے لا کر مجھے موقع دیا جائے۔

سید عباس شاہ۔ ہاں موقع دیا جائے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین، تو آپ باقی ممبروں سے پوچھ لیں۔ سید عباس شاہ صاحب کے بعد حسن اے شیخ صاحب ہیں۔ آپ ان سے بات کر لیں۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل، آپ کے throughمیں request کرتا ہوں۔

جناب حسن اے شیخ، شاہ صاحب کے بعد ڈاکٹر بشارت صاحب ہیں' اس کے بعد شاید میں ہوں اپنا حق میں ان کو دینے کے لئے تیار ہوں۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین، سید عباس شاہ صاحب۔

سید عباس شاہ، شکریہ میڈم چیئرپرسن ' آج ہم اس ایوان میں صدر مملکت کی آئینی تقریر پر اظہار خیال کر رہے ہیں جو کہ آئین کے مطابق انہوں نے 19 ستمبر 1992 کو پارلیمنٹ ہاؤس میں کی۔ اپنے خیالات کا اظہار کرنے سے قبل ' ان کی تقریر کے دوران اس دن جو جمہوری روایات کے خلاف رویہ اختیار کیا گیا' اس پر میں جمہوری روایات کی تذلیل کی مذمت کرتا ہوں۔ میرے کچھ دوستوں نے اس طرف واضح نشاندہی کی تھی جیسے راجہ صاحب تھے' عبدالخالق ہیں' کچھ اور دوست ہیں۔ میں اپنی تقریر میں اس دن

کے اپوزیشن کے کرادر کو زیادہ ہائی لائٹ نہیں کروں گا لیکن ہماری سیاسی تاریخ میں یہ ایک دوسرا کالا دھبہ ہے جو لگایا گیا۔ پہلا دھبہ جمہوری دور میں اس وقت لگا جب ممبران اپوزیشن کو پارلیمنٹ سے اٹھا کر باہر پھینکا گیا۔ یہ بھی اسی قسم کی ایک حرکت تھی جسے دنیا کے جمہوری ادارے اور جمہوریت پسند لوگ بہت بری نظر سے دیکھتے ہیں۔ میں اس واقعہ پر پارلیمنٹ کے ممبر ہونے کی حیثیت سے اپنی قوم کے سامنے بہت شرمندہ ہوں۔ میں ان کی اس حرکت پر خود آنکھیں نہیں اٹھا سکتا ہوں کیونکہ میں اسی پارلیمنٹ کا ایک حصہ ہوں جس میں حکومتی بنچز اور ٹریژری بنچز بیٹھے ہوئے ہیں۔ آئندہ ہماری نسلیں اس واقعہ کو ہماری کمزوری، ہماری ناتجربہ کاری کی مثال بنا دیں گے اور اس واقعہ کو افسوس ناک قرار دیں گے۔ میڈم چیئرپرسن، میں آپ کے ذریعہ یہ رائے دینا چاہوں گا کہ ایسے تمام اپوزیشن کے ممبران یا لیڈر شپ جو اس حرکت میں شامل تھے وہ اس پر قوم سے، پارلیمنٹ سے معافی مانگیں۔ آگے ان کی اپنی مرضی ہے کیونکہ اس سے کم از کم جو غلطی ہوئی ہے اس کا کچھ حد تک ازالہ ہو سکے گا۔

جناب چیئرمین، جمہوریت کے متعلق صدر محترم نے اپنی تقریر میں جو بات کہی ہے، وہ ان کی تقریر کا پہلا حصہ ہے۔ آج تیسری بار انہوں نے اپنی تقریر میں جمہوریت کے متعلق اپنے رائے سے قوم اور پارلیمنٹ کو آگاہ کیا ہے کہا جاتا ہے کہ اسمبلی جمہوریت کی پیداوار ہے، یقیناً، اور صدر مملکت اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں اور بار بار تنقید کرتے ہیں، آواز دیتے ہیں جیسے کہ رات کو چوکیدار آواز دیتا ہے کہ بھائی "جاگتے رہو اور جاگتے رہنا" لیکن جو چوکیدار" جاگتے رہو اور جاگتے رہنا" کہتا ہے، وہ بھی سویا ہوتا ہے اور جن کو کہتا ہے کہ جاگتے رہو اور جاگتے رہنا" وہ بھی سوتے ہیں او چور آکر گھروں کو، اس ماحول کو لوٹ لیتے ہیں اور گھروں میں، اس چوکیدار کی موجودگی کے باوجود نقب زنی ہوتی ہے۔

جیسے کہ صدر مملکت نے اپنی تقریر میں کہا کہ پاکستان ایک جمہوری عمل کی پیداور ہے لیکن افسوس کے ساتھ میں کہوں گا کہ 1985 تک ہم ملک کو جمہوریت نہیں دے سکے۔ میں اس موقع پر جمہوریت کے متعلق قائداعظم کی وفات کے بعد تھوڑا سا ریفرنس خود بھی دوں۔ ہم اس وقت کم عمر تھے جب پہلی بار صوبہ سرحد کی اسمبلی میں جناب خان عبدالقیوم خان کے خلاف vote of no confidence ہمارے مسلم لیگ کے بڑے stalwart ممبروں نے اٹھایا ۔ افسوس کی بات تھی کہ اس وقت بھی ہم ووٹ کا حق اس لیڈر شپ نے چھینا جن کا پاکستان کے بنانے میں اہم کردار تھا۔ وہ آج کی ہارس ٹریڈنگ تو نہیں تھی لیکن ہارس ٹریڈنگ کے طریقے سے ہی کہا گیا کہ جی، ہاتھ اٹھا کر کہا جائے کہ آپ نے ان کے حق میں ووٹ دینا ہے یا ان کے خلاف naturally اس وقت ہم تازہ تازہ آزاد ہوئے۔ ہم پر آمریت یا

حکومت کا بوجھ بہت زیادہ تھا' وہ ممبران جنہوں نے واضح طور پر ان کے خلاف vote of no confidence کی آواز اٹھائی تھی وہ ان کے ساتھ یہ بات نہیں کہہ سکے۔ اس کے بعد پنجاب میں جب پہلی بار الیکشن ہوا تھا اس وقت ہم نے سنا تھا کہ جی rigging ہوگئی ہے۔ یہ جناب ہماری جمہوریت کا آغاز تھا جو مسئلہ ہمارا آئین کا تھا' وہ اس وقت حل ہو سکتا تھا کہ جب ہماری Pakistan's stalwart لیڈر شپ اسمبلی میں بیٹھی ہوئی تھی لیکن وہ ملک کو آئین نہیں دے سکے اور جب اس نے آئین دیا تو اس وقت اس ملک میں حکومت ایک بیوروکریٹ کی تھی ایک ڈکٹیٹر کی تھی۔ اس میں آئین' قانون کی دھجیاں اڑائی گئیں، نیشنل اسمبلی کے سپیکر کو ہٹایا گیا اور جس عدلیہ کے متعلق آج ہم اپنے آپ کو proud سمجھتے ہیں اس وقت ہماری عدلیہ سے ہماری جمہوریت کی داد رسی نہیں ہوئی۔ اس دن سے جب جسٹس منیر کا فیصلہ آیا ہے' جس کو میں آج بھی اس قوم کا اور جمہوریت کا قاتل سمجھتا ہوں' اسی فیصلہ کے effect سے تیسری بار مارشل لاء لایا۔ اس طرح ہم تین بار مارشل لاء کے دور میں رہے ہیں۔ قریباً قریباً چالیس سال ہم اپنے ملک میں غلام رہے ہیں۔ اس ملک کے لئے جس کی لئے ہمارے باپ دادا نے قربانی دی' جانوں کی قربانی دی' مال کی دی' دولت کی دی' عزت کی دی' ہماری ماؤں نے ہماری بہنوں نے جائیداد کی قربانی دی' علاقہ چھوڑ کر اپنے گھروں کو اپنی قبروں کو چھوڑ کر اپنی لاشوں کو چھوڑ کر یہاں آئیں۔ اس ملک کو بنانے کے لئے یہاں آئے۔ لیکن یہاں چالس سال ہم پر آمریت رہی اور ہم ایک قسم کے غلام رہے ہیں آزادی نہیں مل سکی۔

جب ہمیں دوبارہ 1977 میں جمہوریت کی طرف لوٹنے کا موقعہ ملا' for the first time in the history of Pakistan جیسے میں نے کہا کہ بہت stalwart وزیراعظم پاکستان' جسے ہم اپنے ملک کے نامور لوگوں میں شامل کرتے ہیں' کے دور میں پنجاب میں rigging ہوئی لیکن یہ پہلا الیکشن تھا جو فیئر الیکشن تھا لیکن اس الیکشن کا فیصلہ تسلیم نہیں کیا اور وہی جمہوری ادارے اور وہی لیڈر شپ دوبارہ اٹھی 1977 میں اور انہوں نے مارشل لاء کو invite کیا۔ جنرل ضیاء الحق کا بیان ریکارڈ پر ہے کہ میں کوئی خود تو نہیں آیا ہوں' مجھے ان لیڈران نے جو کہ اپوزیشن میں ہیں' ایم آر ڈی میں ہیں نے مجھے invite کیا۔ مجھے دعوت دی ہے۔

ایک معزز رکن: پی این اے تھی اس وقت۔

سید عباس شاہ: sorry پی این اے نے مجھے دعوت دی ہے کہ آ کر مارشل لاء لگاؤ۔ اور ہماری لیڈر شپ کے جو الفاظ تھے وہ بھی ریکارڈ پر ہیں کہ جس کو میں اشارہ کرتا ہوں وہ میرے پاس پہنچ جاتا

ہے اور جو بات میں کہوں وہ تسلیم کرتا ہے۔ تو اس دانشدار جمہوریت کے بعد اگر آج ہمیں پھر جمہوریت قائم کرنے کا موقعہ ملا ہے تو میں دونوں پارٹیوں کو، حکومتی پارٹی کو، اپنی پارٹی کو، اپوزیشن کو کہوں گا کہ اگر چالیس سال کی غلامی کے بعد آزادی ملی ہے، اگر ہمیں دو سو سال انگریز کی غلامی کے بعد آزادی ملی ہے، کالے گوروں کی چالیس سال حکومت کے بعد اگر ہمیں آزادی ملی تو پھر آج ہمیں اس جمہوریت کو بچانا ہے، اور اس مقصد کے لئے ہمیں آگے بڑھنا ہے۔ ہم نے وہ ایکشن کرنے ہیں کہ جن سے ہم اپنی آئندہ نسلوں کو یہ سکیں کہ جو کہ ہمارے باپ دادا نے حاصل کیا تھا وہ ہم گنوا نہیں بیٹھے ہیں۔ بلکہ اس کو بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں، ہم نے اس کو بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ اگر اللہ نے آج ہمیں یہ موقع دیا تو ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

عجیب بات ہے کہ کل لاہور سے آئے ہوئے مجھے ایک صحافی نے کہا کہ ملک میں ایسی طاقتیں ہیں جو جمہوریت کو توڑ رہی ہیں، ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے اور وہ کون ہیں؟ میں نے ان سے کہا اور یہ میری رائے ہے کہ اس ملک میں دو اداروں نے جمہوریت کو تباہ کیا ایک ہماری بیوروکریسی ہے، دوسرا ہمارے فیڈرلسٹ نے۔ کبھی بھی بیوروکریسی نہیں چاہتی کہ یہ طاقت عوام کے ہاتھ میں جائے۔ بیوروکریسی کبھی بھی نہیں چاہتی ہے کہ میرا احتساب ہو سکے۔ ہماری چھوٹی چھوٹی باتوں کو اچھالا گیا، چھوٹے چھوٹے action کو، لیکن جو بڑے بڑے واقعات ہوتے ہیں ان کو چھپایا جاتا ہے کیونکہ آمریت ہوتی ہے۔ ٹھیک ہے ہم چاہتے ہیں کہ جمہوری اداروں کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی قوم کے سامنے اٹھایا جائے لیکن جب شور ہوتا ہے، جب ولولہ ہوتا ہے تو اس سے بہتری آتی ہے۔ خاموشی کے پھٹنے کی امید ہوتی ہے۔ خاموشی ایک بم ہوتا ہے، جو پھٹ جائے تو صورتحال مختلف ہوتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تنقید ہو لیکن اصلاحی ہو، جو آپ اس لئے نہیں کرتے کہ دوسرے کی اچھائی کو برا کہوں اور برائی کو اچھا کہوں۔ تنقید برائے اصلاح اور ترقی ہونی چاہیئے۔ آواز جب اٹھتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ لوگوں کی آواز ہے تو یہ گھبرا جاتے ہیں کہ ملک میں تباہی ہو رہی ہے اور ملک میں کیا ہو رہا ہے۔ اگر کہیں جلسے ہو رہے ہوں، نعرے لگ رہے ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ اگر کہیں ظلم ہو رہا ہے تو اس کے خلاف آواز بھی اٹھ رہی ہے لیکن جو colonial trained bureaucracy ہے ہمارے ملک میں، جو colonial trained feudalist ہیں تو ہمیں اس وقت اٹھ کر ان کی آواز کو روکنا چاہیئے اور ختم کرنا چاہیئے میں بیوروکریسی کے خلاف نہیں ہوں ہر ملک کی ترقی کے لئے ایک ایماندار، مضبوط اور صاف ستھری بیوروکریسی کی ضرورت ہے وہ بیوروکریسی ملک کی سالمیت اور بہتری کے لئے قائم ہو، وہ بیوروکریسی نہیں جس کی نظر میری

جیبوں پر ہو، اور قوم کی تکلیف اور درد سے بے حس ہو، اور ذات کی ترقی کے لئے، پلاٹوں کے لئے دیکھ رہی ہو، بنگلوں کو دیکھ رہی ہو اور بچوں کو پبلک سکولوں اور ماڈل سکولوں میں داخل کرنے کے لئے ہو تو وہ بیوروکریسی ہمیں نہیں چاہیئے۔ ہمیں اس بیوروکریسی کا سوچنا چاہیئے جو کہ انگریزوں نے پیدا کی ہے۔ اس وقت متحدہ ہندوستان تھا تو اس وقت کے ہندوستانی افسران سادہ قمیض شلوار یا دھوتی میں پھرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ان کو اپنی سادگی پر فخر ہوتا تھا اور کسی کی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ ان افسران کے سامنے بات کر سکے۔ وہ ایماندار تھے لیکن سب کچھ کھو دیا جب so called آزادی ملی۔

میڈم چیئرپرسن! اس جمہوریت کے متعلق کئی باتیں ہو سکتی ہیں لیکن صدر مملکت کی تقریر میں کئی اور اہم پہلو ہیں جن پر میں زیادہ بات کرنا چاہوں گا کچھ میرے subjects سے متعلق ہوں اور کچھ پر میرے دوست بحث کریں گے۔ صدر مملکت نے پریس کی طرف اشارہ کیا اور انہیں قومی ذمہ داری یاد دلائی۔ یقیناً پریس نے، صحافی برادری نے پاکستان بننے میں بڑا اہم کردار ادا کیا پاکستان بننے کے بعد ہمارے اوپر جو آمریت کا تسلط قائم ہوا تو اس وقت بھی انہوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا اور اب ہم جب دوبارہ جمہوری دور میں داخل ہوئے ہیں تو وہ اپنا کردار ادا کر رہے ہیں لیکن اس میں ایک بہت ضروری پہلو ہے اور پاکستان کا اپنے وقت کا پہلا وزیراعظم، سیاستدان تھا جس نے پریس کو آزادی دی اور تنقید کو برداشت کیا، لیکن پریس کی آزادی اس حد تک نہیں جانی چاہیئے کہ ملک کی سالمیت کے خلاف ہو۔ انگریز یا برٹش جس کی حکومت اور قانون کی ہم مثال دیتے ہیں لیکن انہوں نے بھی اپنے ملک میں ملکی سالمیت کے خلاف پریس کو کبھی برداشت نہیں کیا۔ ہمیں بھی اپنے پریس سے یہی امید ہے کہ وہ ہمیں اس سٹیج پر نہ لے جائیں کہ حکومت وہ ایکشن لے کہ کوئی ایسا پریس ہو جو کہ اس ملک کی سالمیت اور یکجہتی کے خلاف بات کرے اور اس سٹیج پہ ملک کے پریس کو روکنا پڑے گا۔ یہاں پر مجھے ایک بات یاد آ گئی کہ جب غلام اسحق خان صاحب چیئرمین تھے تو میں نے ایک تحریک جی ایم سید کے بیان پر پیش کی تھی اور میں نے کہا تھا کہ اس کا بیان ملک کی سالمیت، یکجہتی کے خلاف ہے۔ اس کو آنا چاہیئے جبکہ آج چار سال بعد وہ بات ہر آدمی نے اٹھائی۔ صدر مملکت کی اس وقت رولنگ یہی تھی کہ آپ کو عدالت میں جانا چاہیئے کیونکہ یہاں پر privilege کا کوئی رول نہیں ہے۔ یہ صرف میں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ایسی مثال پہ ملک کی سالمیت اور یکجہتی کی بات ہو تو پریس، Leadership, parliamentarian ان سب کو اکٹھا ہوکر ان کے خلاف جہاد کرنا چاہیئے تاکہ ایسے elements اٹھ ہی نہ سکیں اور زبان کھل ہی نہ سکے، اور اس حد تک پہنچنے سے قبل ان کو قومی سزا ملنی چاہیئے۔ ہماری صحافت کی طرف سے اس کو سزا ملنی چاہیئے۔ ہمارے جمہوری اداروں

کی طرف سے ان کو سزا ملنی چاہیئے۔ اگر یہ بات عدالت میں لے جائیں تو وہاں پہ تو شک کا فائدہ مجرم کو مل سکتا ہے اور ہماری کئی چیزیں وہاں ناکام بھی ہو سکتی ہیں لیکن جو بات واضح طور پر کہی جائے اس کو روکنا چاہیئے۔

کہتے ہیں جی کہ اختلاف رائے جمہوریت کا حسن اور اس کی توانائی کا سرچشمہ ہے۔ اس کا احترام ہونا چاہیئے۔ میں یہ بات افسوس سے کہتا ہوں کہ ہم چاہے حزب اقتدار میں بیٹھے ہوں یا حزب اختلاف میں ہوں ہمیں یہاں بیٹھ کر برداشت کرنا چاہیئے اور ہمیں اپنے پر تنقید کو accept کرنا چاہیئے اور اسے ذاتی تنقید نہیں سمجھنی چاہیئے اور اسے اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیئے۔ ہمیں اپنے آپ کو coorect کرنا چاہیئے حکومت کو، کیونکہ ہم نے بہت وقت ضائع کیا۔ یہ ملک جیسے کہا جا رہا تھا کہ کوریا سے ۱۹۴۹ء میں آگے جا رہا تھا لیکن کوریا آج ہم سے بہت آگے ہے اور جو وقت ہم نے ضائع کیا ہے تو اس کی یہی ایک کوشش ہے کہ ہم اپنی belts کو tight کریں تنقید کو ہم accept کریں اور اس سے اپنے آپ کو orient کریں کہ اگر کوئی صحیح تنقید ہے اور میں غلط کر رہا ہوں اور میں اس راستے کو صحیح طریقے سے اختیار کروں۔ جیسے کہ آج کل ہمارے ملک میں یہ ہو رہا ہے کہ ایک موٹر وے لاہور سے اسلام آباد تک بن رہا ہے۔ اس پر کچھ اعتراضات ہو رہے ہیں کہ جی ٹینڈر غلط ہوئے یا یہ فیصلہ نہیں ہونا چاہیئے لیکن یہاں پر جو میری تنقید ہے وہ orientation of policy نہیں ہوئی۔ بنیادی طور پر یہ کیس Planning Division سے نکلا ہی نہیں ہے۔ ایک ذاتی خواہش پہ یہ ہوا۔ ٹھیک ہے موٹر وے ہونا چاہیئے اسلام آباد اور لاہور بہت اہم شہر ہیں لیکن حقیقتاً اس وقت ملک کو اس کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ملک اس کو afford نہیں کر سکتا۔ ہماری اور بھی ترجیحات ہیں۔ ہمیں Makran Coast پہ ایک اور port کی ضرورت ہے۔ ہماری ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایک اور پورٹ کی ضرورت ہے۔ اور اس کے لئے ایک مکمل infrastructure کی ضرورت ہے تاکہ ملتان، سرگودہا، پشاور، حیدر آباد کو connect کیا جائے تو billions of rupees اگر اس پر خرچ ہوا تو میں سمجھوں گا کہ اس سے بہتر orientation یہ ہوتی کہ ہم وہ فیصلہ کرتے اور وہ rout لیتے جس سے قومی معیشت اور اس کی ترقی بہتر ہوتی، لیکن جب تنقید ہوتی ہے وہ ایسی بھونڈی باتوں پر ہوتی ہے کہ جی وہ پیسے کھا گئے۔ وہ فلاں کر گئے۔ یقیناً irregularity ہوئی ہے۔ اور یہاں پر میں بیوروکریٹس کا وہ بیان بھی لوں گا۔ جس وقت منسٹر کمیونیکیشن آیا اور اس کے بعد ہمارے اے جی این قاضی صاحب جنہیں stalwart of the Planning Division کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جی میں نے اسے approve کیا۔ ٹھیک کیا کہ approve کیا۔ ہم accept کرتے ہیں اس کی

بات لیکن افسوس کی بات ہے کہ اگر آپ بائی وے ایکٹ پڑھیں تو اس میں ۶۰ ملین روپیہ سے زیادہ کے اختیارات کسی ادارے کو نہیں ہیں۔ وہ ایک ادارہ ہے جسے کمیونیکیشن میں کونسل کہا جاتا ہے۔ بائی وے ایکٹ کے مطابق اور اس کا چیئرمین، پرائم منسٹر ہے۔ اس کے اور ممبروں کے علاوہ ایک ممبر اس سینٹ کا اور ایک ممبر نیشنل اسمبلی کا ہونا چاہیئے۔ جو contract ہوا وہ اس ایکٹ کے خلاف ہوا۔ میری تنقید یہ ہے جو فیصلہ ہوا وہ غلط ہوا ہے۔ لیکن میری تنقید یہ نہیں ہے کہ اس میں چوری ہوئی ہوگی یا اس میں کوئی ایسا ہوا ہوگا کیونکہ ہمارے ملک میں یہ ایک رواج رہا ہے۔ سرمایہ داروں کی حکومت ہے۔ جسے کارخانہ نہ ملا، جسے فائدہ نہ ملا وہ کہتا ہے کہ یہ سکینڈل ہوگیا۔ اس میں چوری ہوگئی۔ اس نے پیسے لے لئے۔ اس میں کمیشن لے لیا گیا۔ تو اسے انہوں نے غلط رنگ دیا۔ لیکن یہ فیصلہ--- میڈم چیئرپرسن! میں آپ کی توجہ زرا اپنی طرف بھی مبذول کرانا چاہوں گا۔

صدر مملکت نے اس کے بعد performance of Assembly and present government، جمہوری نظام کی کارکردگی اور قانون سازی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یقیناً گزشتہ سوا سال یا ڈیڑھ سال سے یہ ہماری حکومت قائم ہوئی ہے میاں نواز شریف کی سرکردگی میں۔ legislative performance ان کی قابل تعریف ہے۔ جتنی قانون سازی ہماری قومی اسمبلی اور سینٹ نے کی ہے۔ اس کی مثال ۱۹۸۵ء سے لے کر اب تک نہیں مل سکتی۔ کارکردگی قابل تحسین ہے لیکن کوتاہیاں یقیناً ہیں۔ جیساکہ میرے محترم سینیٹر قاضی صاحب نے ذکر کیا کہ آج تک پبلک اکاؤنٹس کمیٹی form ہی نہیں ہوئی ہے۔ ڈیڑھ سال بعد اگر پبلک اکاؤنٹس کمیٹی form نہیں ہوئی تو اس کا مطلب ہے کہ ہم یا تو احتساب سے ڈر رہے ہیں یا میں اسے اپنی incompetency سمجھوں گا کہ کیوں نہیں form ہوئی۔ سینٹ میں ہماری کمیٹیاں ۱۹۸۵ء سے قائم ہوئیں غلام اسحق خان کے دور میں اور انہوں نے اس کی بنیاد رکھی۔ اللہ کا فضل ہے کہ آج وہ کمیٹیاں کافی حد تک کامیاب ہیں اور ان کی کامیابی یہ ہے کہ ہماری کمیٹیوں کے چیئرمین منسٹر نہیں ہیں اور ہم احتساب کر سکتے ہیں لیکن اس کا جو افسوسناک پہلو ہے اور خاص کر اسی دور میں۔ پچھلے ۱۸ ماہ کی حکومت اور اس وقت پندرہ ماہ کی کہ جو recommendation ان کمیٹیوں کی جاتی ہے وہ حکومت اسے اپنے سرد خانوں میں ڈال دیتی ہے۔ ان پر کوئی توجہ نہیں دیتی۔ اس کے علاوہ سینٹ یا نیشنل اسمبلی سے اگر کسی کام یا کسی کمیٹی کے لئے کسی کو منتخب کیا جائے تو وہ ایک آدمی کی صوابدید پر نہیں۔ میڈم چیئرپرسن! آپ کو یہ اختیار ہے کہ آپ کچھ ممبران یہاں سے اٹھائیں لیکن جمہوری روایت یا tradition of the House آپ یہ اجازت نہیں دے گی۔ آپ کو چاہیئے کہ ہم سے پوچھیں کہ

جی یہ یہ ہونا چاہیئے۔ میں مختصر سا یہ ذکر بھی کروں گا۔ وفود باہر جا رہے ہیں اور ایک آدمی کو آپ دس دس بار بھیج رہے ہیں کیونکہ وہ آپ کے منظور نظر ہیں۔ آپ کو یہ طریقہ بدلنا پڑے گا۔ اسی طرح پارلیمنٹ کی کارکردگی کو آپ نے بہتر بنانا ہے۔ آپ کو کچھ لوگوں کو منتخب کرکے آگے آگے پروجیکٹ نہیں کرنا۔ سب کا مساوی حق ہے۔ اگر ہم خاموش رہتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم آئندہ اس ایوان کی روایات کو تباہ کریں گے۔ ہم اس ایوان میں غلط روایات قائم کریں گے۔ ہمیں آگے بڑھنا چاہیئے۔ ہمیں وہ روایات قائم کرنی چاہیئے تاکہ آئندہ نسلیں کہیں کہ ایک دور اسمبلی کا ایسا آیا جس نے ہمارے لئے یہ راستے قائم کئے اور پارلیمانی اصول ہمارے لئے قائم کئے۔ میں پھر بھی اس تنقید کے باوجود محسوس کرتا ہوں کہ جو کارکردگی اس سینٹ کی ۱۹۸۵ء سے ہے۔ وہ انشاء اللہ قابل تحسین ہے لیکن جیسے کہا جاتا ہے کہ ہمیں بہتر سے بہتر کی طرف بڑھنا چاہیئے اور آگے نکلنا چاہیئے۔ قانون سازی کے ساتھ ساتھ بہت اہم بات جو ہمارے سامنے آئی اور جس کے بارے میں صدر مملکت نے کہا کہ ان بلوں میں شریعت بل سب سے زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ اس کی منظوری سے قوم کی دیرینہ آرزو کی راہ ہموار ہوئی ہے۔ نہیں میڈم چیئرپرسن! میں صدر صاحب کی اس بات سے کسی طور پر بھی اتفاق نہیں کرتا۔ صرف ایک کاغذی چیز کو پاس کرنا۔ شریعت بل کا پاس کرنا ہماری نامکمل کارکردگی ہے کیونکہ اس شریعت بل کے ساتھ ساتھ کئی چیزیں ہم سے متعلق ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہماری اکنامک کمیٹی form نہیں ہوئی۔ ہماری ایجوکیشن کمیٹی form ہوئی ہے۔ ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ ہماری اکنامک کمیٹیاں یا ایجوکیشن کمیٹیوں کی کیا کارکردگی ہے۔ نظریاتی کونسل کی جو رپورٹیں ہیں۔ میڈم چیئرپرسن! میں نے ایک سال پہلے بھی، چیئرمین سینٹ جس وقت وسیم سجاد صاحب بیٹھے تھے۔ میں نے کہا آپ کی بھی یہ ذمہ داری تھی کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹیں اس اسمبلی میں لائیں اور ان پر بحث کروائیں۔ پھر اس کے بعد ایک کمیٹی کی تشکیل ہوئی اور پروفیسر خورشید صاحب اس کے چیئرمین بنے۔ انہوں نے اب تک کیا کچھ کیا۔ یہ میرے علم میں نہیں ہے لیکن انشاء اللہ وہ کچھ کر رہے ہوں گے کیونکہ وہ جو کام کرتے ہیں وہ محنت سے کرتے ہیں اور ہم ان کی کوششوں کو نظرانداز نہیں کر سکتے لیکن وقت اتنا گزر گیا ہے کہ اس نظریاتی کونسل کی رپورٹوں کو اب اس ایوان میں آنا چاہیئے اور اس پر ہمیں بحث کرنی چاہیئے کیونکہ bills سے ملک میں قانون نہیں بنتا۔ Bills سے قانون کے لئے راہ ہموار ہوتی ہے۔ قانون سازی جب ہوگی تب آپ آگے بڑھیں گے۔ پچھلے آٹھ دس سال کی آمریت میں ہم سے یہی وعدہ کیا جاتا رہا کہ ملک میں ہم شریعت لا رہے ہیں۔ کونسی شریعت آئی ہے۔ کیا آیا ہے۔ کون سا راستہ ہموار ہوا ہے۔ شریعت بل جب سے پاس ہوا ہے اب بھی یہی ہے کہ شریعت بل آ رہا ہے۔ ہمارے

گاؤں میں لوگ کہتے ہیں کہ اونٹ پر آ رہا ہے کیونکہ موٹر اور جہاز پر تو نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے اونٹ پر آ رہا ہو گا۔ ہزاروں میل کا فاصلہ ہے۔ وہ عربستان سے اونٹ پر جب ہی پہنچے گا۔ یہ ملک نظریاتی ملک ہے۔ اور ہم اپنی قانون سازی ان لوگوں کے حوالے بھی نہیں کر سکتے جو اپنے آپ کو اس ملک میں اسلام کے ٹھیکیدار سمجھتے ہیں۔ میرا اشارہ کسی مخصوص آدمی کی طرف نہیں ہے لیکن اس ملک کے ساتھ ہوتا رہا۔ یہی چیز عیسائیت میں بھی آئی اور اسی وجہ سے اس مذہب کو مسترد کیا گیا۔ ہم اس کے متحمل کیوں ہوں۔ یہ وہ دین ہے جس میں ہر امتی دنیا کو اپنے دین کا پیغام دے سکتا ہے۔ یہ ڈیوٹی ہے۔ یہاں پر کسی کی حاکمیت نہیں ہے۔ دوسرا میں کسی طور پر اس کے حق میں نہیں ہوں کہ جو مدارس قائم ہیں' ان میں کچھ اچھے ہوں گے لیکن یہ میری رائے ہے۔ کہ انہیں دین کا ہم ٹھیکہ دیں۔ انہی ماڈرن یونیورسٹیوں سے ہمارے دینی علماء نکلیں اور وہ ہمیں اس ملک میں شریعت کا نظام دیں۔ ہم اس نظام کے لئے تیار نہیں ہیں جیسے مسجد میں بیٹھ کر ہر روز ایک نیا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ ملک اسلامی ملک ہے۔ مجھے ان لوگوں کو عدالت میں لے جانا چاہیئے۔ میں کراچی میں جمعہ کی نماز پڑھ رہا تھا اور اٹھ نہیں سکا۔ ایک مولوی صاحب نے یہ بیان دیا کہ کسی دوسرے کو کوئی عضو دینا حرام ہے۔ آنکھ دینا' ہاتھ دینا' گردہ دینا' میں نے کہا افسوس کہ اگر میرے ملک میں اسلام ہوتا تو میں آج آپ کو اس عدالت میں لے جاتا کہ کیا یہ آپ کو حق حاصل ہے کیونکہ اس میں ۹۰ فیصدی وہ آبادی تھی جو کہ ان پڑھ مزدور تھے۔ جن کو دین کے متعلق علم نہیں تھا۔ ان کے دماغ میں یہی بات ہو گی کہ جی خون تو میں اس لئے نہیں دیتا کیونکہ اسلام میں حرام ہے حالانکہ یہ ایک ضرورت ہے اور اس کے لئے جو فیصلہ ہو گا وہ عدالت کرے کہ اگر یہ حرام ہے۔ ملک میں شریعت کا جو بل پاس ہوا ہے اس میں ہمیں آگے بڑھنا چاہیئے۔

اب ایک بہت بڑا مسئلہ جو ہمارے سامنے آیا ہے وہ بلا سودی نظام کا ہے۔ یہ ایک چیلنج ہے۔ اس وقت سوشلسٹ نظام ختم ہو گیا اور capitalist نظام ہے اور یہ دنیا کا نظام ہے کہ ہر نظام کے خلاف دوسرا نظام ہوتا ہے۔ مرد کے لئے عورت اور اسی طرح اپوزٹ چیز ہونی چاہیئے اور یقیناً capitalism کے خلاف ہمیں اور مجھے خاص کر یہ اعتماد ہے اور میرے scholars کو اور intellectuals کو کہ ہم ایک معاشی نظام قوم کو اور دنیا کو دے سکتے ہیں لیکن اس پر مجھے یاد ہے کہ غلام اسحاق خان کے وقت میں بہت کا ہوا تھا۔ میں غلام اسحاق خان کی یہ تعریف نہیں کر رہا ہوں لیکن مجھے افسوس ہے کہ جب میں نے اس سے ایک دن پوچھا تو اس نے کہا کہ فنانس منسٹری میں وہ نوٹس پڑے ہوں گے۔ کسی نے اس کو compile کر کے آگے نہیں بڑھایا۔ ہم رک گئے' کیوں رک گئے؟ ہمیں کچھ لوگ کہتے ہیں جو کہ سودی

سوچ کے لوگ ہیں جن کو ہم یہودی کہتے ہیں کیونکہ اگر banking rules کو آپ بینکوں کو دیکھیں تو ان کو یہودیوں نے یا jews نے اس بینک کی بنیاد رکھی اور یہ سود در سود کا نظام وہاں سے آیا۔ ہمیں اس کو تبدیل کرنا چاہیئے۔ اگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ پر ربا حرام ہے اب ہم نے اس کو define کرنا ہے اور یہ کیونکہ وہ قرض نہیں ہے کہ کسی ضرورتمند کو دیا جاتا ہے۔ میں ایک سو کروڑ روپے کا کارخانہ لگا رہا ہوں اور آپ کی دولت میرے پاس آ رہی ہے عوام کی، قوم کی دولت تو میں جس بینک سے ادھار یا قرضہ لے رہا ہو اس بینک کو بھی میں نے کچھ دینا ہے۔ اس کے لئے متبادل نظام موجود ہے اور اس پر بحث ہوسکتی ہے۔ اس پر کام ہوا ہے لیکن ہم رکے کیوں ہیں یہی کام اسی آسمبلی نے اسی لیجسلیشن نے، یہاں سے اٹھانا ہے۔ اگر ہم کہیں کہ جی دس بل، ہم نے illicit arms کا بل پاس کیا فلاں فلاں بل ہم نے پاس کیا سو یہ میری کارکردگی نہیں ہے یہ تو انگریزوں نے بھی پاس کیا۔ سزاؤں کو کم کرنا یا زیادہ کرنا کیونکہ لوگ crimes کریں گے اور crimes رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں بھی ہوئے ہیں۔ سزائیں ہوتی ہیں اور سزائیں ملتی رہیں گی ۔ سزائیں Indian Penal Code میں Pakistan Penal Codeمیں بھی موجود ہیں۔ہمارے قرآن میں بھی لیکن ہم نے ان نظریات پر اور ان چیلنجوں پر کام کرنا ہے جو کہ آئندہ نظام کے لئے ہم نے اس کو پیش کرنا ہے اور دنیا میں مقابلہ کرنا ہے۔ یہ بات کہ جی ایک بہت بڑا ریخن پیدا ہو رہا ہے اور اس کے لئے ہم threat بن رہے ہیں، نہیں ہم threat ہیں ہی نہیں ہم threat تب ہوں گے کہ ہم ایک معاشی قوت بن کر سامنے آئیں۔ تبھی ہم threatبن سکتے ہیں۔ جناب والا! اگر پاکستان ایران ترکی اور افغانستان اور ترکستان ازبکستان ان سب کو میں ملا لوں اگر میرے پاس وسائل ہی نہیں ہیں دولت تو Arab Penisula میں بھی آئی ان کے ساتھ کیا ہوا؟ ان کی دولت کہاں گئی؟ کن بینکوں میں پڑی ہے ۔ کون اس کو circulate کر رہا ہے۔ Jews ان کو circulate کر رہے ہیں American Banks میں پڑی ہوئی ہے۔ جس وقت وہ چاہیں ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام ہو اس وقت وہ freeze کرلیں گے۔ یہاں پر ایک اور بات میرے سامنے آئی ہے۔ جس وقت خانہ کعبہ ہمارے لئے بنایا گیا مسلمان کے لئے وہ ہماری United Nation تھی۔ وہ اس لئے بنایا گیا کہ ہم مسلمان وہاں پر اکٹھے ہوں اور ہم ایک دوسرے کی بود و باش کو دیکھیں۔ ہماری ایک دوسرے کے ساتھ یکجہتی ہو۔ وہاں سے ہماری یہ ساری چیزیں نکلیں۔ وہاں پر معاشی نظام کے متعلق ہم سوچیں۔ جناب والا سعودی عرب کا بادشاہ تو خادم الحرمین ہے لیکن روزانہ ہمارے لوگوں کی عمرہ پر جانے کے لئے یا حج پر جانے کے لئے اس دروازے کے سامنے بے عزتی ہو رہی ہے۔ ہمارا فارن آفس اس پر چپ

ہے اور یہ ان کا حق نہیں ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ ان کے فرام کو وہ پھاڑ دیتے ہیں۔ سعودی عرب کے جو سفیر بیٹھے ہیں پانچ سو روپے اور ہزار روپے پر فارم بیچتے ہیں اور آج میں یہ شرطیہ ثابت کر دوں گا کہ پانچ سو روپے دے کر آدمی اندر جا سکتا ہے وگرنہ اس کے بے عزتی ہو گی۔ میرے معزز ایوان کا ممبر جو کہ خط لے کر گیا اس کو کہا کہ دس ہزار آدمیوں کی لائن میں کھڑے ہو جاؤ اور اس کی جو بے عزتی ہو وہ شریف آدمی تھا اس نے یہاں استحقاق کا مسئلہ پیدا نہیں کیا چونکہ انہوں نے پیش نہیں کیا۔۔ میں ان کا نام نہیں لوں گا لیکن یہ میری بے عزتی اس لئے ہو رہی ہے کہ میں اس گھر میں جا رہا ہوں کہ جس پر میرا اتنا ہی حق ہے جتنا سعودی عرب حکومت کا اور ہم اس فورم سے یہی بات کہیں گے کہ اگر یہی حالت ہمارے ساتھ ہوئی تو سعودی حکومت کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ مکہ اور مدینہ پر وہ حکومت کریں اس پر United Muslim Body کی ایک اپنی حکومت ہونی چاہیئے۔ جناب میڈم ڈپٹی چیئرمین مجھے افسوس ہے میں تھوڑا سا اس مسئلے پر جذباتی ہو گیا لیکن جب مجھ سے حق چھینا جاتا ہے، جس دروازے پر میرا حق ہے، جس پر مجھے بغیر رکاوٹ کے پہنچنا چاہیئے ' اگر ان کے پاس دولت ہےہمیں وہ اپنے سعودی عرب میں دوسرے علاقے میں تو جس طرح جرمنی نے اپنی دیوار جرمنی لگائی مشرقی اور مغربی جرمنی کے درمیان وہ ان مقامات کے گرد ایسی دیواریں حائل کریں گے ائرپورٹ سے آپ جدہ سے جائیں اور سیدھا وہاں جائیں اور وہاں سے نکل کر آئیں ایک محنت جب شیطانوں کو کنکری مارنے کے دن ہوتی ہے وہی حالات آج سعودی سفارتخانے کے سامنے ہمارے لوگوں کی ہو رہی ہے۔ کوئی بندہ نہ فارن آفس سے نہ حکومت سے ہماری اس تذلیل کی بات اٹھاتا ہے۔ کوئی اس کے متعلق بات ہی نہیں کرتا۔ میں یہ کہوں گا کہ ہمیں اس کے خلاف زبردست احتجاج کرنا چاہیئے اور یہاں سے اس احتجاج کو اٹھانا چاہیئے۔ میں آپ سب کو دعوت دیتا ہوں کہ کل یا پرسوں آپ وہاں پر تماشہ کریں۔ اگر آپ کسی کو خط بھی لکھ کر دیں اس کو وہ پھاڑ کر آپ کے سامنے پھینک دیں گے۔ جس فارم کے ساتھ پیسے نہیں اس کو پھاڑ کر پھینک دیتے ہیں افسوس کی بات ہے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین صاحبہ! صدر مملکت نے horsetrading کی بات کی۔ میں نے آپ سے ذکر کیا کہ horsetrading آج نہیں ہوئی horsetrading اس وقت سے شروع ہوئی جیسے میں نے آپ کو کہا کہ جی ہم نے اپنی اسمبلی میں خان عبدالقیوم خان جو کہ میرا لیڈر تھا۔ میں اسی مسلم لیگ سے اور اسی گروپ سے تعلق رکھتا ہوں اس وقت سے شروع ہوتے ہوئے اور اس کے بعد ہماری ایک ریپبلکن پارٹی ون یونٹ میں بنی اور ہمارے بہت بڑے بزرگ جب ہم مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی مین ایگزیکٹو

کمیٹی کا ممبر لاہور میں تھا' اس وقت وہ تماشا دیکھا۔ روزانہ ہمارے ممبران بکتے رہے لیکن وہ فیوڈلسٹ تھے وہ جمہوریت کی پیداوار نہ تھے لیکن آج ہم زیادہ تر جمہوریت کی پیداوار ہیں۔ ہم نے کل پھر الیکشن میں جانا ہے اور جو قانون ہم اس کو روکنے کے لئے بناتے رہتے ہیں جب تک ہمارا ضمیر صاف نہ ہو ہمیں کوئی قانون نہیں روک سکتا۔ اس کی خلاف ورزیاں جو ہوتی رہی وہ آپ کے سامنے ہیں۔میں نے کہا کہ عدالت میں benefit of doubt مل رہا ہے۔ میں اپنے اس دور کا بھی ذکر کروں گا کہ ہم سب میں سے یقیناً عدلیہ بہتر ہے لیکن اس ہاؤس میں اس چھت کے نیچے جہاں مجھے protection حاصل ہے پہلے بھی میں نے کہا کہ ایک دور تھا سال ڈیڑھ سال پہلے کہ پشاور کا Advocate General Chief Justice کو Justice of the High Court پشاور بلا کہ وہ کہتا ہے کہ کہ فیصلہ ایسا ہونا چاہیئے۔ یہ ریکارڈ پر ہے اور میں نے نہیں بہرہ ور سعید نے بھی ذکر کیا اور ہم بھی repeat کرتے ہیں۔ ہماری عدلیہ کو بہتر راستہ چاہیئے کیونکہ ساری امیدیں اسی دروازے پر ہو جاتی ہیں۔ ساری امیدیں اسی دروازے پر ہیں تو اس کی کارکردگی کے متعلق جو کچھ صدرمملکت نے کہا بہتر ہو گی لیکن اللہ مالک ہے۔

احتساب ہونا چاہیئے اور بہت ضروری چیز ہے احتساب institutionalise ہونا چاہیئے احتساب continuous ہونا چاہیئے جیسا کہ میرے دوست عبدالخالق خان نے کہا کہ احتساب ایک جگہ پر رکنا نہیں چاہیئے۔ اگر کل ہم نے احتساب کیا تو آج بھی ہونا چاہیئے اگرکل ہم نے کسی scandle کے متعلق احتساب کیا تو آج ہم اس کو کیوں روک رہے ہیں ؟ اس کو آگے بڑھانا چاہیئے تب ہی horsetrading بھی بند ہو گی صفائی بھی آئی گی۔ ملک میں رشوت اور کرپشن کے متعلق صدرمملکت نے بالکل اشارہ نہیں کیا کیونکہ وہ اتنی بڑھ گئی کہ اب وہ اشارے سے باہر ہو گئی۔ یہ پہلی بار ہے کہ صدرمملکت کے خطاب کو جو انہوں نے مجلس شوریٰ میں 19 دسمبر کو کیا' اس کو میں نا مکمل سمجھتا ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ہمارے صدرمملکت نے قوم کو یہ نا مکمل خطاب کیوں دیا۔ وہ مسائل اور وہ issue جس میں ہماری 70% آبادی شامل ہے جس کو ہم زراعت کہتے ہیں جس کے بارے میں میرے لیڈر آف دی ہاؤس اور میرے بھائی محمد علی خان نے بڑے زور شور اور پرزور الفاظ میں ذکر کیا' صدرمملکت کی یہ تقریر روایت کے مطابق حکومت تیار کرتی ہے اور صدرمملکت کو بھیجتی ہے' اس میں اتنے بڑے شعبوں کو کیوں نظرانداز کیا۔ زراعت پیشہ زراعت سے وابستہ لوگ پس رہے ہیں۔ ان کی قیمتوں کو مارکیٹ sensitive نہیں بنایا جاتا لیکن ان کی input کو مارکیٹ sensitive بناتے رہتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ آپ کا ملک survive کر سکتا ہے اس ملک میں foreign exchange کوئی چیز کماتا ہے تو cotton, rice and

کو بچاتا foreign exchange کے ۔ اگر آپ agriculture base product جس کو چمڑا بھی کہتے ہیں
ہے تو وہ زمین کی پیدا وار سے بچتا ہے تو مجھے جانیے کہ ہم نے انڈسٹری میں جو billion of billions
rupees invest کئے ہیں کیا انہوں نے ہمیں foreign exchange کما کر دیا۔ اگر آج میرا yarn بکتا
ہے تو اس کو ہم صرف value added کرتے ہیں کسی جاپانی فرانسیسی یا Italian machinery کے
ذریعے لیکن پیداوار میرے کاشتکار کی ہے۔ میرے کاشتکار کی محنت ہے اور میں نے inefficient مشین
دے کر اس کو وہ قیمت نہیں دی جو اس کا حق ہے۔ صدر مملکت صاحب نے ہماری اقتصادی پالیسی کی
تعریف کی، حکومت کی اقتصادی پالیسوں کو سراہا یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کیا یہ سچ ہے۔ whether
the sweeping foreign exchange reforms announced a year ago. کیا اس کا ہمیں فروٹ
ملا۔ اس پر آج ہم بات کریں گے کہ کیا اس نے ہمیں وہ desired result دیئے جو reforms ہیں یقیناً
sweeping ہیں کیونکہ وہ ایک politician کی سوچ تھی لیکن جو اس کو implement کر رہا ہے وہ
ایک bureaucrat ہے کیونکہ اگر politician کی ڈیوٹی ہے کہ وہ ایک لائن fix کرے کہ اس لائن کے
اندر جانا ہے، اندر کس طرح جانا ہے اور کس طرح اس کو برابر کرنا ہے وہ اس bureaucracy کا کام
ہے۔ کیا ہماری فنانس منسٹری کی politician کے control میں ہے یا فنانس منسٹری جیسے ہمارے ساتھ
پہلے ہوتا رہا کہ foreign service میں ہم نے bureaucrat کو یا diplomat کو politician کی ذمہ
داری دے کر فارن پالیسی کے جو نتائج ہیں یا جو ہم تکالیف برداشت کر رہے ہیں۔ ہمیں فخر ہے کہ پہلی بار
45سال کے بعد اس وزیر اعظم نے ملک کے لئے جو فنانس پالیسی وضع کی ہے اس کا رزلٹ ہمیں مل رہا
ہے نہیں؛ میں آپ کو یہ ساری چیزوں کے figures آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اور جس کو ہمارے
قابل قدر فنانس منسٹر نے خود admit کیا ہے ۔ ایک financail policy کے three major
indicators have reach critical level, foreign exchange reserves ہمارے اس وقت 529
ملین ڈالرز ہیں جس پر ہمیں فخر نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ ہماری ایک مہینے کی باہر کی pyament کے برابر
ہے۔ GNP ration 4 8.4% ہے ۔ critical level 50% ہے ۔ ہم GNP ratio 48.4% پر پہنچے
ہیں Export ration 2.4 1% پر پہنچے ہیں جو کہ critical level 2.5% ہے debt servicing
ration 26.6% and the critical level is 25% میں اب آپ کی صوابدید پر چھوڑ رہا ہوں کہ کیا ہم
کامیاب ہوئے یا ناکام ہوئے ۔ پاکستان کا trade gap expaded by a record 65% in the first
seven months reaching 90% of the deficit traget fixed by the whole year. یہ 65%

پہلے سات مہینے میں پہنچا ہے۔ gap has expanded by 1.7 million. From 1at january, 1992

جو ہمارا trad deficit ہے وہ 1.7 billion ہے۔ as compared to 1.06 million for the

corresponding period of the last year. اب آپ مجھے بتائیں کہ اس تقریر میں جس پالیسی کی تعریف ہوئی ہے کیا وہ ہم achieve کر سکے ؛ میں کہوں گا کہ یقیناً جو reforms تھے، جن کو ہم نے آگے بڑھایا تھا، وہ یقیناً بہت بہتر تھے لیکن کس کے ہاتھ میں دیا انہوں نے اس کو کامیاب بنایا یا اس کو فیل کیا۔ یہی آج وہ ادارہ ہے یہی وہ fourm ہے جہاں ہم اپنی کارکردگی پر نظر ڈالیں۔ widening of the current accounts supply about 35% in the first six months, export growth

12% as proposed against 22% ہم نے اس period میں export growth 22% propose کیا تھا۔ ہم نے 12% achieve کیا ہے۔ import growth ہمارا 18% بڑھا ہے۔ آپ مجھے بتائیں کہ ہم economic destruction کی طرف جا رہے ہیں ہم نے وہ سارے indicators critical level تک پہنچا دیئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ یہ ملک almost دیوالیہ پن تک پہنچ چکا ہے اور میری فنانشل پالیسی جسے میری حکومت اور میرے وزیراعظم نے بنایا اس کو فیل کیا جا رہا ہے۔ جیسے میں نے کہا کہ اس ملک میں جمہوریت کو destablize کرنے کے لئے کچھ ایسے forces ہوتی ہیں۔ اس سے تب ہی آپ نکل سکتے ہیں کہ ان اداروں کو آپ جمہوریت کے اندر کر سکیں۔ میں ایک چھوٹی سی مثال ابھی حال میں دو تین مہینے کی بتاؤں۔ ایک autonomous body کا چیئرمین منسٹر صاحب کو قبول نہیں تھا۔ naturally اس کے drawbacks ہوں گے۔ Minister has to run the policy of the government لیکن وہ اس کو ہٹا نہیں سکا کیونکہ اس کے پیچھے ایک بہت بڑی bureaucratic force تھی اور میری وہ منسٹری بالکل بیکار ہے کیونکہ اس میں منسٹر یا سٹیٹ منسٹر ineffecitive ہے۔ وہ آدمی کہتا ہے کہ میں اپنی طاقت پر بیٹھا ہوا ہوں۔ مجھے بتائیں کہ یہ حکومت اور جمہوریت کس طریقے سے چل سکے گی۔ Pakistan will ned 4.5 billion total current account deficit current year

being estimated 2.9 billion پورے سال کا 2.9 billion estimated تھا۔ اس وقت تک ہمارا deficit 4.9 billion تک پہنچا ہے۔ ہمارے ملک میں دو بہت بڑی انڈسٹریز ہیں۔ سٹیل ملز کو چھوڑ کر، دو بہت بڑی انڈسٹریز ہیں جس میں سب سے زیادہ انوسٹمنٹ ہے یعنی ان کا raw material اپنے ملک میں پایا جاتا ہے۔ ایک کاٹن کی ہے اور دوسری شوگر کی ہے۔ ہماری کاٹن انڈسٹری جو کہ ساری دنیا میں ٹاپ لیول پر جا رہی ہے تھی، اس کو ٹوٹلی destroy کیا گیا۔ پہلی بار ڈاکٹر مبشر حسن نے اس انڈسٹری کو

destroy کیا جو کہ آپ کی maximum export earning کی source ہے - اور دوبارہ آج اس کو پھر destroy کیا گیا ہے - آج آپ in the competitive مارکیٹ میں بیٹھے ہوئے ہیں ' export duty on cotton yarn was raised to six rupees per kilogram by budget of 1990-91 کو ۲۹-۵-۹۱ انہوں نے چھ روپے ایکسپورٹ ڈیوٹی لگا دی اس کے علاوہ اس پر already ایکسائز ڈیوٹی بھی پانچ روپے لگی ہوئی تھی ' تین روپے سے بڑھا کر چھ روپے کیا گیا۔ اس کا رزلٹ کیا ہوا ' یہ increase hundred percent تھی ' ہم جب کہتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ اس طرف ہاتھ پھیلا کیونکہ جس آدمی نے یہ ڈیوٹی لگائی تھی اس کو یہ sense ہی نہیں تھی کہ یہ انڈسٹری میرے لئے کیا کر رہی ہے ' میرے لئے کیا کما رہی ہے ' اس کے ساتھ کون involve ہے اس کے ساتھ جناب agriculturist involve ہے ' اس کے ساتھ labour involve ہے ' اس کے ساتھ میرا foreign exchange involve ہے ' اس میں billion of rupees of the banks جو کہ عام لوگوں کے جمع کردہ ہیں ' وہ involve ہیں ' اس میں دنیا کے ہم پر جو loans ہیں وہ involve ہیں۔ اس کے نتیجے میں کیا ہوا کہ ساری دنیا میں انڈیا move کرگیا اور انہوں نے وہ سارے آرڈر لے لئے جو کہ ہمارے Pakistani industrialists یا کاٹن یا یارن میں ڈیل کر رہے تھے ' ان کے ہاتھ میں تھے - یہ کام ان سے ایک دن سے چھینا گیا ' کیونکہ کاروبار میں قیمت اور کوالٹی دونوں important چیزیں ہیں۔ جو کوالٹی اور قیمت کا خیال رکھے گا ' کاروبار اسی کا ہوگا۔ لیکن یہاں تو میں کہوں گا کہ destruction ہوئی ہے ' کیونکہ مجھے تو اور کوئی طریقہ کار نہیں آتا کہ جی میں کیسے اس کو grab کروں آؤ ' اس کو destroy کرو - and the industry has totally been destroyed آج دنیا کی مارکیٹ میں آپ کا یارن باہر نہیں جا رہا ہے - export felly sharply fall was 27.63 million Kg in November ایک مہینے میں 27 ملین کلوگرام آپ کی یارن کی جو ایکسپورٹ تھی وہ گر گئی اب گورنمنٹ کو سکھوں کی طرح خیال آیا کہ یار ہم تو تباہ ہوگئے ' اب ہمیں کیا کرنا ہے - تو انہوں نے پھر ڈیوٹی کو reduce کیا ایک روپیہ کم کرکے پانچ روپے تک کر لیا - 12-11-91 کو ' اب وقت جو تھا وہ گزر گیا تھا ' سودے ہو چکے تھے ' پھر ان کو خیال آیا کہ اس سے تو کچھ نہیں ہو رہا ہے ' ہم نے تو ایکسپورٹ کرنا ہے ' 12-12-91 کو پھر اس کو تین روپیہ تک لایا گیا ' Even the duty of today three rupees can not be sustained by these textile mills جس میں dollars and billion rupees both are invested ہیں ' آپ کی ساری اکانومی اس میں invested ہے - وہ sustain نہیں کر سکتی ' ایکسائز ڈیوٹی کاٹن یارن پر اس وقت پانچ روپے ہے - آپ نے پچھلے دنوں میں دیکھا ہوگا کہ وزیراعظم نے حکم دیا ہے

کہ growers سے پھٹی خریدی جائے۔ grower تو بہت غریب آدمی ہے' ان سے کریش پروگرام کے تحت کاٹن خریدیں۔ ایک وقت تھا سات سال پہلے کہ grower کی industrialists منتیں کرتے تھے کہ مجھے اپنی کاٹن دیں یا پھٹی دیں ۔ مگر وہ آج growers جو ہے وہ منتیں کر رہا ہے کہ ہم سے کاٹن خریدیں تو پھر مجھے بتائیں کہ میری پالیسی کیسے اچھی ہے' کیسے یہ succesful ہے۔

جناب والا! اسی طرح میں آپ کو شوگر پر لاتا ہوں۔ last yar ہمارا target of production دو ملین ٹن تھا' دو ملین تھا' گورنمنٹ کو بار بار کہا گیا ہے کہ دو ملین ٹن ہے ۔ ایک ملین کا estimated budget shortfall تھا کہ ایک ملین ٹن منگوانی پڑے گی۔ انہوں نے امپورٹڈ شوگر کے لئے ڈیوٹی اتنی کم کردی کہ وہ اپنی پروڈیوس ڈیوٹی سے' پروڈکشن کاسٹ سے بھی ایک روپیہ کم ہوگئی۔ ٹریڈر دوڑتا ہوا آیا اور اس نے ساڑھے چار لاکھ ٹن چینی ملک میں آکر dump کر لی اور اس سے آپ کو پتہ ہے کہ ہمیں کتنا خرچہ کرنا پڑا' ایک سو ساٹھ کروڑ ڈالر کی چینی آئی' اس ملک میں سویٹنرز کو منگوایا گیا یعنی جس وقت آپ کی 95 فیصد آبادی کو چینی پوری ہو رہی ہے تو پھر آپ ایک سو ساٹھ کروڑ کی چینی کیسے منگواتے ہیں اور یہ کس ضرورت کے تحت منگواتے ہیں۔

جناب والا! ہر ہفتے میں اسی سی سی کی ایک میٹنگ ہوتی ہے' ہمارے وزیر خزانہ صاحب market sensitive نہیں ہے ' وہ commodity price کی طرف دیکھتے ہیں کہ جی یہ چینی گیارہ روپے سے سوا گیارہ روپے کیسے ہوگئی۔ جناب آپ کی ساری انڈسٹری destroy ہو رہی ہے ' جب آپ فری اکانومی کی بات کرتے ہیں ' let the commodity price adjust itself لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ بیوروکریٹکس سوچ اور پولٹیکل سوچ میں بہت فرق ہے ۔ میں کسی پر تنقید نہیں کر رہا ہوں بلکہ پالیسی پر تنقید کر رہا ہوں ' پالیسی پر بھی نہیں بلکہ implementation پر کر رہا ہوں۔

جناب والا! میں اب نج کاری پالیسی پر آتا ہوں۔ ہمارے نج کاری کمشن نے بہت اچھا کام کیا ہے' کافی difficulties کے باوجود' پریس کی مخالفت کے باوجود' جن لوگوں کے انٹرسٹ تھے' ان کی مخالفت کے باوجود' جنہوں نے ملیں بیچی ہیں ان کی مخالفت کے باوجود نج کاری کمشن نے اچھا کام کیا۔ ایک دن مجھے کسی نے کہا کہ جو ملیں کماتی تھیں' وہ ملیں انہوں نے بیچی ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ سیمنٹ کما رہا ہے" جب کہ سیمنٹ کما نہیں رہا ہے بلکہ میڈم چیئرپرسن آپ نے دیکھا ہوگا کہ پچھلے تین سال سے اس کی قیمت دس دس روپے کرکے بڑھاتے ہوئے 60 روپے تک بڑھی ہے ۔ جس وقت وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں loss ہو رہا ہے تو وہ consumer سے 20 روپے زیادہ لے لیتے ہیں۔لیکن میں تو اپنی

چینی کی قیمت 10 پیسے بھی نہیں بڑھا سکتا ہوں' ادھر سے تو وہ امپورٹر کو بھیج دیتے ہیں اور ان کو کروڑوں روپے کمانے دئے جاتے ہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ ادھر سے شور کرتے ہیں کہ سیمنٹ پر بیوروکریٹ بیٹھے ہیں اس لئے وہ کما رہے ہیں۔ جناب آپ کو یقین نہیں آئے گا کہ آج زیادہ تر یونٹس پر وہی ایم ڈی بیٹھے ہوئے ہیں جو حکومت نے اپوائنٹ کئے ہیں وہ ان سے کمار رہے ہیں اور اب وہ ان کو خریدنے کے لئے تیار ہیں ۔ آپ دیکھیں کہ maximum bids انہی کی ہیں ۔ تاہم بات کی جاتی ہے کہ لیبر کا مسئلہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ لیبر غریب کا کیا ہے ' ان کو تو کہیں سے ایڈوانس دے کر کہہ دیا جائے گا کہ ہم ان کو compensate کرلیں گے جیسے کہ ہمارے سامنے الائیڈ بنک کا ہوا ہے۔ اسی طرح انہوں نے کامرس بنک خریدا' حالانکہ بنکرز پر restrictions ہیں ' that they will not invest anything لیکن انہوں نے بھی یہاں پر خریداری شروع کردی ہے۔ ہمیں ان کی خریداری پر کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ اب انہوں نے بیچنا شروع کیا ہے ' and the policy is going successfully اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اس کو سپورٹ کریں اور اس کو آگے بڑھائیں۔

جناب والا ! اس وقت میں ایک اور طرف اشارہ کروں گا کہ پرسوں میرے عزیز بھائی عبدالخالق خان نے وفاق اور وفاقیت کی بات کی اور صوبوں کے اپنے حقوق کی بات کی۔ یقیناً بڑی محرومی کی بات آ رہی ہے ' یقیناً ملک میں محرومیت ہے کیونکہ ہر ایک صوبے کی یہی ڈیمانڈ ہے اور جب ہم یہاں نگرز منگواتے ہیں خاص طور پر چھوٹے صوبوں کے جن میں بلوچستان اور سرحد قابل ذکر ہیں ۔ ان کو اپنے حقوق کے مطابق کوٹے نہیں دئیے گئے ۔ ملازمتوں میں بھی اور ریسورسز میں بھی لیکن کچھ عجیب سا ٹرینڈ ہے' اگر آپ کسی وقت میانوالی میں جائیں' کسی وقت آپ رحیم یار خان جائیں' آپ کیمبل پور میں جائیں تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے سارے حقوق سنٹرل پنجاب غصب کر گیا ہے۔ اگر میرے پاس آپ بنوں اور ڈی آئی خان میں آئیں تو وہ کہتے ہیں کہ پشاور ویلی نے ہمارے سارے حقوق غصب کر لئے ہیں۔ کل' پرسوں یا ایک مہینہ پہلے ہزارہ سے 27 ممبران اسمبلی نے کہا کہ ہمیں علیحدہ صوبہ چاہیئے میں اپنے بھائی سے یہی سوال کروں گا کہ جس وقت آپ نے کالا باغ ڈیم کے متعلق یا اس کے خلاف فیصلہ کیا' تو کیا اس وقت آپ نے ہمیں' یا جنوبی اضلاع کو confidence میں لیا۔ اس وقت تو مجھے امید ہے کہ میں وفاق کے پاس جاکر اپنے حقوق بچالوں گا لیکن یہ جو dominations ہماری نیچر میں داخل ہوئی ہے اس کو کب تک روکیں گے۔

جناب عبدالخالق خان، پوائنٹ آف آرڈر۔

سید عباس شاہ: جناب مجھے پہلے بولنے دیں۔

ڈاکٹر محمد ریحان، پوائنٹ آف آرڈر۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین: جناب ڈاکٹر صاحب آپ بیٹھئے ان کو بولنے دیں۔

ڈاکٹر محمد ریحان، محترمہ! یہ ضروری ہے جی باز محمد خان سے مشورہ کیا گیا ہے ان کے ضلع کا ہے---

میڈم ڈپٹی چیئرمین: تشریف رکھیں جی شکریہ--- سید عباس شاہ صاحب۔

سید عباس شاہ مجھے بہت افسوس ہے کہ میرے ممبر صاحب کی ایک عادت بنی ہوئی ہے کہ جو بولے گا ہم بھی یہی کرسکتے ہیں لیکن ہم معزز ممبر کو request کریں گے کہ میرے بعد ان کو موقع ملے گا وہ اپنی بات صحیح طور پر کریں---

میڈم ڈپٹی چیئرمین: جناب پیر عباس شاہ صاحب اس کو اب ختم کریں ورنہ میرا خیال ہے کہ ہاؤس کو ایڈجرن کرتے ہیں کیونکہ میں نے جانا ہے اور میرے مہمان منتظر ہیں---

سید عباس شاہ، میں تھوڑا سا وقت لوں گا---

میڈم ڈپٹی چیئرمین، کیونکہ وہ سارے وہاں آجائیں گے۔

سید عباس شاہ، اچھا جی، میں کہتا ہوں کہ جس وقت ہماری ساڑھے تین کروڑ آبادی کے لئے چار یونٹس تھے اکائی تھے، اس وقت ضرورت یہ ہے کہ بارہ یا تیرہ کروڑ آبادی کے لئے جن کے مسائل بڑھ گئے ہیں تو ہمارے Units یا اکائی کی تعداد زیادہ کی جائے۔ کیونکہ یہ اب قومی ضرورت ہے اور اس کو ہم مسئلے کا حل سمجھتے ہیں۔ اب میں انتہائی مختصراً قلت وقت کی بناء پر اپنے ملک کی فارن پالیسی پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میں افغان پالیسی کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں کہ میرے بزرگ ساتھی قاضی حسین احمد صاحب نے ذکر کیا کہ جرگہ ہونا چاہیئے۔ لوئی جرگہ ہونا چاہیئے۔ چھوٹا جرگہ ہونا چاہیئے۔ بڑی بات یہ ہونی چاہیئے کہ جب جنیوا معاہدہ ہوا تو کسی کو یہ حق نہیں تھا کہ وہ میری زمین پر حکومت قائم کرتے۔ ان کو اپنے گھروں میں جاکر حکومت قائم کرنی چاہیئے تھی۔ عبوری حکومت نہ مجھے پہلے قبول تھی اور نہ آج مجھے قبول ہے۔ افغانستان میں جس وقت مداخلت ہوئی اور روس آیا، میں نے اور میری قوم نے قربانی دی اور ہم دینے کے لئے تیار ہیں آئندہ، کیونکہ افغانستان کے عوام ہمارا حصہ ہیں۔ کلچرلی ہم اسی کی پیداوار ہیں۔ ہم نے

حکومت روس کی جارحیت کے خلاف جو جنگ لڑی اور میں جس بات کی تعریف جنرل ضیاء الحق کی آمر ہوتے ہوئے کرتا تھا وہ یہی ہے کہ اس نے یہ جہاد کیا۔ قربانی پاکستانی قوم نے دی اور خاص کر پشتون قوم نے، کیونکہ ساری آبادی قتل ہوئی ہے اس میں 80 فیصد پشتون آبادی تھی اور وہ لوگ جو آج پشتون کی بات کر رہے ہیں انہوں نے اس وقت بھی پشتون کو defend نہیں کیا ہے اور نہ ہی کچھ کہا ہے لیکن میں یہ بات کہنا چاہوں گا کہ اگر امریکہ یلسن سے بات کرسکتا ہے ، گورباچوف سے بات کرسکتا ہے تو آج ہمیں کیا تکلیف ہے کہ نجیب سے بھی بات کریں۔ نجیب نے تو اپنی شناخت ثابت کی ہے کہ میں وہاں یہ ایک حیثیت رکھتا ہوں یہ لوگ جاکر یہاں پر بھی جو آمر قائم تھے لیکن ہم نے ہندوستان یا ایران میں جاکر عبوری حکومت قائم نہیں کی، لیکن ہمارے لوگوں نے جاکر جدوجہد کی۔ گیلی صاحب جیل میں گئے جو بار بار ہمیں یاد دلاتے ہیں عبدالخالق خان جیل میں گئے اور بڑے لوگ اور دوست ہمارے جیل میں گئے ہیں۔ جیسے آزادی کے لئے آدمی قربانی دیتا ہے یہ بھی دیں، حکومت ہے لیکن وہاں پر جائیں اور اپنی حکومت جیسی چاہیں قائم کریں۔ ٹھیک ہے خواہش ہوتی ہے لیکن ہم کون ہیں کہ ان کو راستے بتائیں کہ ان کو کونسی قسم کی حکومت بنائیں اور اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کو کہیں کہ جی ہمارے کندھے اب تھک گئے ہیں۔ پہلے نہیں تھکتے تھے بیس سال اگر وہ جدوجہد کرتے آزادی کے لئے روس کے خلاف، پچاس سال، سوسال کرتے تو پاکستان کے عوام ان کے بوجھ سے نہیں تھک رہے تھے۔ ہم نے بہت کچھ دیا، بہت کچھ قربان ہوا۔ ہمارا کلچر قربان ہوا سب کچھ قربان ہوا۔ ہم اس قربانی کے لئے آئندہ بھی تیار ہیں۔ ہمارے ہاں ہیروئن اور کلاشنکوف آیا لیکن آج یہ ہماری ضرورت نہیں کہ ہم ان کے درمیان آئیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ آگے بڑھیں۔ شکریہ میں یہی کہوں گا کہ کشمیر جو ہے اس کے solution کے لئے ہمیں آگے بڑھنا چاہیے۔

میڈم ڈپٹی چیئرمین، شکریہ جناب پیر عباس شاہ صاحب۔

The house is adjourned to meet at 10 am day after tomorrow. Thank you.

[The House was then adjourned to meet again at 10 O'clock in the morning on Thursday, the 20th February,19992].